بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز سے

گمنام ہمدرد

اشتیاق احمد

بار اول :
طابع : اشتیاق احمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس : مہر عبدالستار، راجہ جنگ
طباعت سرورق : سپریم پرنٹرز، لاہور
آرٹسٹ : محمد جاوید چغتائی، لاہور
قیمت : چھ روپے

اشتیاق پبلیکیشنز، راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور

دو باتیں

گمنام ہمدرد سے مل کر آپ کو خوشی بھی ہوگی اور افسوس بھی؛ تاہم شروع سے لے کر آخر تک آپ یہ اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ چکر کیا تھا۔ آپ کی بے چینی اور دل چسپی ہر آن برق رفتاری سے بڑھتی جائے گی اور آپ اس پر قابو نہیں پا سکیں گے، یہاں تک کہ آپ خود کو بے بس محسوس کرنے لگیں گے — ہو سکتا ہے، آپ مجھ پر جھنجلائیں بھی، مجھے کاٹ کھانے کو بھی دوڑیں، لیکن میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ آپ ہی تو کہتے ہیں۔ ناولوں میں دل چسپی اور سپنس اس قدر ہو کہ بس — اب اگر یہ دل چسپی اور سپنس آپ کو سکون کا سانس نہ لینے دے اور آپ ناول ختم کیے بغیر ہاتھ سے کسی وقت بھی نہ رکھ سکیں، چاہے کوئی آپ کے کانوں کے پاس منہ لا کر آوازیں بھی کیوں نہ دے ڈالے تو اس میں میرا کیا قصور۔ مجھ سے تو آپ اسی قسم کے ناول لکھوانا چاہتے ہیں، صرف یہی نہیں، دو باتیں بھی اسی قسم کی چاہتے ہیں جو آپ کی پسند پر پوری اتریں۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس بار کی دو باتیں کہاں تک پوری اترتی ہیں، یا یہ کس قسم سے تعلق رکھتی ہیں — یہ دیکھنا، جانچنا اور پرکھنا تو بس آپ کا کام ہے۔ شکریہ —

اشتیاق احمد

حدیثِ شریف

حضرت ابنِ مسعودؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے:

۱۔ عمر کن کاموں میں گنوائی۔ ۲۔ جوانی کی توانائیاں کہاں صرف ہوئیں۔
۳۔ مال کہاں سے کمایا۔ ۴۔ کہاں خرچ کیا۔
۵۔ جو علم حاصل کیا، اس پر کہاں تک عمل کیا؟

تین ارے

اسے زور شور سے آنسو بہاتے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ پھر جب اس کی سسکیوں کی آواز ان کے کانوں میں آنے لگی تو بوکھلا اٹھے۔ اب تو انہیں کتابیں بند کرنا ہی پڑیں — دونوں گھاس پر سے اٹھے اور اس کی طرف قدم بڑھانے لگے۔

دونوں معمول کے مطابق نیشنل پارک میں اپنا سکول کا کام کر رہے تھے۔ پانچ منٹ پہلے کی بات ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو اس بنچ کی طرف آتے دیکھا جو ان کے نزدیک ہی تھا — اس کی طرف ایک نظر دیکھ لینے کے بعد دوسری بار دیکھنے کی ضرورت اس لیے پڑی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے، پھر وہ اس بنچ پر بیٹھ گیا — اسی وقت انھوں نے دیکھا، اس کے بائیں ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا — پیکٹ ایسا تھا، جیسے کسی کو تحفہ دینے کا ارادہ ہو۔ [illegible] اس پر سبز رنگ کا کاغذ لپیٹا گیا تھا اور سنہری ربن سے باندھ دیا گیا تھا — بنچ پر بیٹھنے کے بعد اس نے پیکٹ بنچ پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں جو آنسو جھلملا رہے تھے، اب وہ گالوں پر ڈھلک آنے اور

پھر تو آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ وہ زور شور سے رونے لگا۔ سسکیوں کی
آواز نے تو انہیں ہلا کر رکھ دیا اور اب وہ اس کی طرف قدم بڑھا رہے
تھے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس کا لباس بہت سستا تھا۔

"خیر تو ہے جناب، آپ پر ایسی کیا مصیبت آپڑی، جو بچوں
کی طرح رو رہے ہیں؟"

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے رومال نکال کر
آنکھیں صاف کیں اور بولا:

"آپ — آپ اپنا کام کیجیے۔" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"مشکل ہے جناب۔" فاروق منمنایا۔

"کیا مشکل ہے؟" رونا بھول کر اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اب ہم اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔
اسے ڈر تھا، کہیں فاروق کوئی اوٹ پٹانگ جملہ نہ بول دے۔

"کیوں جاری نہیں رکھ سکتے۔" لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"آپ کے آنسوؤں نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم بہت نرم دل
واقع ہوئے ہیں۔ دوسروں کو پھوٹ پھوٹ کر روتے اور آٹھ آٹھ آنسو بہاتے
نہیں دیکھ سکتے۔ اب جب تک آپ ہمیں اپنے رونے کی وجہ نہیں بتا
دیتے، اس وقت تک ہم اپنا کام نہیں کر سکتے، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ اس کے بعد بھی ہم اپنا کام نہ کر سکیں، کیونکہ رونے کی وجہ جان
لینے کے بعد تو ہم آپ کی الجھن رفع کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے۔"

"میرے رونے کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ اس موقعے پر اگر میں آپ
کو ایک شعر سنا دوں تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

اور وہ حیران رہ گئے۔ یہ شخص ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کہاں
تو زار و قطار رو رہا تھا، کہاں انہیں شعر سنانے چلا تھا۔ فاروق نے منہ
بنا کر کہا:

"تو آپ شاعر بھی ہیں؟"

"شاعر تو میں ضرور ہوں، لیکن اس وقت اپنا نہیں، ایک اور شاعر
کا شعر سنانے چلا تھا۔"

"چلیے سنائیے شعر بھی۔" محمود نے بے بسی کے انداز میں کہا۔

"تو پھر سنیے، آپ نے مجھ سے رونے کی وجہ پوچھی ہے نا، جواب
میں شعر عرض ہے۔

ان آنسوؤں کی میرے دوست وجہ کچھ بھی نہیں
شب بہار میں رونے کی مجھ کو عادت ہے"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر اچھا ہے، لیکن جناب ان دنوں
موسم بہار کہاں ہے اور پھر یہ رات کا وقت بھی نہیں ہے۔" فاروق بولا۔

"اب میں آپ کو کیا بتاؤں، کیسے سمجھاؤں، میں بات بے بات
رو پڑتا ہوں۔ رونا تو گویا میری گھٹی میں پڑا ہے۔" اس نے کہا۔

محمود اور فاروق نے تیزی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ
شخص تو بامحاورہ اردو بولنے میں ان سے بھی دو ہاتھ آگے معلوم ہوتا تھا

اور کیوں نہ ہوتا، شاعری کا شوق بھی تو رکھتا تھا۔

"چلیے ہم نے مان لیا کہ آپ کو رونے کی عادت ہے، لیکن پبلک مقامات پر سسکیوں کے ساتھ تو کوئی نہیں رویا کرتا۔ اس کی ضرور کوئی اور وجہ ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اس کی ضرور ایک اور وجہ ہے۔ آج میرے چھوٹے بھائی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ افسوس، میں اس کی سالگرہ میں شرکت نہیں کر سکتا، نہ یہ تحفہ دینے اس کے گھر کے دروازے تک جا سکتا ہوں، کیونکہ میرے چھوٹے بھائی کے گھر کے دروازے مجھ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہیں اور اصل رونا یہ ہے کہ فاطمہ منّی کو میں نے ہاتھوں میں کھلایا ہے، مجھے اس سے بے تحاشا محبت ہے۔ اس کی سالگرہ ہو اور میں سالگرہ میں شرکت نہ کروں، بلکہ تحفہ بھی نہ دے سکوں، یہ بات میرے لیے ناقابل برداشت ہے، بلکہ دل پر آرے چلانے والی بات ہے۔ ایسے میں میں روؤں نہ تو کیا کروں۔" وہ روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"لیکن جناب، آپ پر چھوٹے بھائی کے گھر کے دروازے کیوں بند ہیں ۔۔ ان دروازوں کو کیا ہوا؟" فاروق نے احمقانہ انداز میں پوچھا

"دروازوں کو کیا ہوا؟" اس نے حیران ہو کر کہا، پھر مسکرا اٹھا۔ روتے چہرے پر یہ مسکراہٹ انہیں بہت عجیب لگی

"دروازوں بے چاروں کو کیا ہو سکتا ہے ۔۔ باپ کے مرنے کے بعد ہم دونوں بھائی صرف چند سال ہی ایک ساتھ رہ سکے، پھر میں اپنا حصہ لے

کر الگ ہو گیا اور غلط راستے پر پڑ گیا۔ گھوڑوں کی ریس میں پیسے لگانے لگا۔ اس طرح میرے حصے کی دولت پر لگا کر اڑ گئی۔ پھر ایک چوری کر بیٹھا اور پکڑا بھی رنگے ہاتھوں گیا۔ چھ ماہ کی سزا ہوئی ۔۔ بس میری ان غلطیوں کی سزا یہ ملی کہ بھائی نے اپنے گھر کے دروازے مجھ پر بند کر دیے، وہ ڈرتا ہے، کہیں میرا سایا اس کی بچی پر نہ پڑ جائے اور وہ بھی مجرمانہ راستے پر نہ چل نکلے، لہٰذا اب وہ میری شکل بھی دیکھنے کو تیار نہیں۔"

"اور اب آپ کیا کرتے ہیں؟" محمود نے دکھی دل سے پوچھا۔

"محنت مزدوری، میں نے اب سب بُرے کام چھوڑ دیے ہیں۔"

"لائیے، یہ پیکٹ ہم آپ کی بھتیجی کو پہنچا دیں۔" محمود بول اٹھا۔

"تم ۔۔ تم ۔۔" اس کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ آپ کا تحفہ اس تک پہنچ جائے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں۔" وہ بولا۔

"بس تو پھر یہ ہم وہاں دے آتے ہیں۔" اس نے کہا

"لیکن آپ کہیں گے کیا۔ میرا تو نام بھی اس گھر میں لیا جانا کسی کو منظور نہیں۔ بس ایک بھتیجی ضرور مجھے یاد کرتی ہے۔"

"تو ہم صرف اسی کو بتا دیں گے کہ تحفہ کس نے بھیجا ہے۔" ...ر نے کہا۔

"نہیں، اس طرح بات کھل جائے گی ۔۔ تم اگر مجھ پر یہ احسان کرو

ہی چاہتے ہو تو بس یہ تحفہ اس تک پہنچا دو۔ بس کچھ بتائے بغیر اسے دوسرے تحفوں میں شامل کر دو۔ میری خواہش پوری ہو جائے گی اور میں محسوس کروں گا کہ میں اس کی سالگرہ میں شریک ہو چکا ہوں۔"

"چلیے یونہی سہی، ہم کسی طرح یہ تحفہ دوسرے تحفوں میں شامل کر دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" محمود بولا۔

"میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پیکٹ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کے بھائی کا نام کیا ہے، پتا بھی لکھوا دیں۔"

"جی ضرور ۔۔۔ اس کا نام شاہد سلیم ہے۔ شارع رضوی تیسری سڑک کوٹھی نمبر ۱۲۔" اس نے بتایا۔

"آپ کی بھتیجی کا نام؟" محمود نے پتا لکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا نام فاطمہ ہے، لیکن گھر میں اسے پیار سے منی کہتے ہیں۔ اور میں فاطمہ منی کہا کرتا ہوں۔" اس نے کہا

"بس تو پھر آپ فکر نہ کریں۔ یوں سمجھ لیں، آپ کا تحفہ دوسرے تحفوں میں شامل ہو گیا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن ابھی تک آپ نے اپنا نام نہیں بتایا" فاروق نے فوراً سے کہا۔

"میرے نام کی کیا ضرورت ہے، بہرحال مجھے جاوید اختر کہتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"آپ بھی اپنا پتا لکھوا دیں۔" فاروق بولا۔

"لیکن میرے پتے کی کیا ضرورت ہے آپ کو۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم آپ کو یہ بتا سکتے ہیں آ کر کہ آپ کا تحفہ آپ کی بھتیجی تک پہنچ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میرا پتا بھی لکھ لیں۔ میں ظاہر آباد بی بلاک کوارٹر نمبر تیس میں رہتا ہوں۔"

"شکریہ جناب۔" محمود نے اس کا پتا نوٹ کرنے کے بعد کہا۔

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے۔" وہ اداس انداز میں مسکرایا۔

"چلیے، آپ بھی کر لیں۔" فاروق فوراً بولا۔

"لیکن جناب، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی بھتیجی کو کس طرح معلوم ہو گا کہ یہ تحفہ اس کے تایا نے بھیجا ہے؟" محمود نے کہا۔

"اس میں ایک ایسی چیز ہے جو اسے صرف میں ہی بھیج سکتا ہوں، کوئی اور نہیں ۔۔۔ سال بھر بچتے ہوئے میں اس کے لیے اس قسم کی چیزیں خرید کرتے جاتا رہا ہوں۔ کم از کم اسے یہ بات فوراً معلوم ہو جائے گی۔"

"چلیے پھر تو ٹھیک ہے۔ سالگرہ کا وقت کیا ہے؟"

"ٹھیک ساڑھے پانچ بجے شام۔"

"اوہ، پھر تو ہمیں چل دینا چاہیے۔"

"لیکن میں حیران ہوں، تم یہ تحفہ اندر کس طرح پہنچاؤ گے؟" جاوید اشرف بولا، پھر خود ہی کہنے لگا:

"ٹھیک ہے، تم کہہ دینا کہ تحفہ دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر پڑا تھا، شاید کسی مہمان سے گر گیا ہے، لہٰذا اس تحفے کو دوسرے تحفوں میں شامل کر لیا جائے گا — زیادہ سے زیادہ یہ پوچھ لیا جائے گا کہ یہ تحفہ وہاں موجود لوگوں میں سے کس کا ہے۔ ظاہر ہے، کوئی نہیں بولے گا اور تحفہ رکھ لیا جائے گا — یہ سوچ کر کہ شاید جس مہمان سے تحفہ گرا ہے، وہ تحفے کی تلاش میں ہی گیا ہوا ہے — اب دیر ہو رہی ہے۔ تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔"

"آپ فکر نہ کریں — ہمارے پاس موٹر سائیکل ہے — ہم ابھی وہاں پہنچ جاتے ہیں — آؤ بھئی فاروق۔"

دونوں تیزی سے سائیکل سٹینڈ تک پہنچے اور اس پر بیٹھ کر باہر نکل آئے۔

"بعض اوقات تم بلا ضرورت کوئی مصیبت مول لے لیتے ہو، حالانکہ مجھے مصیبت مفت بھی ملے، تب بھی نہیں لیتا۔" فاروق نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو، میں کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" محمود بولا۔

"تو بڑے بڑے رومال رکھا کرو نا اپنے پاس۔" فاروق جل کر بولا۔

"چھوڑو بھئی، انسانی ہمدردی بہت بڑی چیز ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

شارع رضوی کی تیسری سڑک تک پہنچنے میں انہیں صرف دس منٹ لگے۔ کوٹھی نمبر بارہ دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی — باہر کاریں ہی کاریں جمع تھیں — دونوں نے کاروں کے پاس موٹر سائیکل روکی اور نیچے اتر کر دروازے کی طرف بڑھے۔

"یار ایسے میں گھنٹی کی آواز کون سنے گا؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔ یہ کام تم ہی نے اپنے ذمے لیا ہے۔" فاروق ابھی تک جھلایا ہوا تھا، "ویسے گھنٹی بجانے کی ضرورت ہی کیا ہے — اس گھر کے دروازے صرف جاوید اشرف پر بند ہیں۔ سیدھے اندر گھس چلو اور جب کوئی پوچھے کہ کون ہو اور کہاں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے آ رہے ہو تو تحفہ اس کے آگے کر دینا۔"

"ترکیب اچھی ہے۔" محمود مسکرایا۔

دونوں نے اپنی کتابیں موٹر سائیکل پر ہی چھوڑ دی تھیں — آخر وہ پھاٹک عبور کر گئے۔ اندر عجیب سی چہل پہل تھی — سالگرہ کا انتظام گراؤنڈ میں کیا گیا تھا — زیادہ تر لوگ گراؤنڈ میں موجود تھے۔ راستے میں انہیں کئی لوگ ادھر سے ادھر آتے جاتے ملے، لیکن کسی نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ ایسی صورت میں جب کہ محمود کے ہاتھ میں تحفہ بھی

تھا۔ کوئی کیسے جان سکتا تھا کہ وہ مہمان نہیں ہیں اور پھر وہ گراؤنڈ کے
کنارے تک پہنچ گئے۔ اچانک دو لڑکیاں ان کے سامنے آگئیں اور
پھر ان میں سے ایک لڑکی کے منہ سے نکل گیا۔

"ارے"

○

محمود اور فاروق دھک سے رہ گئے، کیونکہ ارے کہنے والی لڑکی
فرزانہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

"ارے" محمود اور فاروق نے بھی بے ساختہ کہا۔

"ارے کا تبادلہ پسند آیا۔ فرزانہ، کیا تم ان دونوں کو جانتی ہو؟"
فرزانہ کے ساتھ والی لڑکی نے حیران ہو کر کہا۔ اس نے بہترین قسم کے
کپڑے پہن رکھے تھے اور دلہنوں کی طرح سجی ہوئی تھی۔

"اچھی طرح جانتی ہوں" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھی طرح جانتی ہو تو پھر بڑے بڑے منہ کیوں بنا رہی ہو"
اس لڑکی نے اور بھی حیران ہو کر کہا۔

"فاطمہ، یہ محمود اور فاروق ہیں، یعنی میرے بڑے بھائی" فرزانہ
جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"ارے" اس مرتبہ فاطمہ کے منہ سے حیرت کی زیادتی سے

نکلا۔

"تم دونوں بن بلائے کیوں چلے آئے اور ستم یہ کہ حضرت تحفہ بھی
اٹھائے ہوئے ہیں" فرزانہ کھا جانے والے لہجے میں بولی۔

"ارے ارے فرزانہ، بڑے بھائیوں سے اس طرح بات کرتے ہیں"

"آپ خدا کا شکر ادا کریں۔ یہ کم از کم ہمیں بڑے بھائی تسلیم
تو کرتی ہے" فاروق مسکرایا۔

"لیکن اس بات پر تو خدا کا شکر آپ دونوں کو ادا کرنا چاہیے،
نہ کہ مجھے" فاطمہ شوخ لہجے میں بولی۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے" محمود نے کہا، پھر جلدی سے بولا۔

"فرزانہ تم غلط سمجھیں۔ ہم دونوں یہاں دعوت اڑانے کی نیت سے
ہرگز نہیں آئے، نہ ہمیں یہ معلوم تھا کہ تم بھی یہاں موجود ہو۔ ہمیں تو
یہ تحفہ پڑا ملا تھا۔ ہم سمجھے، کسی مہمان سے گر گیا ہے، کیوں نہ اندر پہنچا
دیں۔ دروازے پر کسی نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی، لہذا ہم
اس طرف چلے آئے۔ خیال تھا کہ گھر کے کسی فرد کو تحفہ سونپ کر باہر
نکل جائیں گے۔ اب تو ہماری ملاقات اس فرد سے ہی ہو گئی ہے،
جس کی سالگرہ ہے، لہذا یہ لیجیے بہن اپنی امانت، اور ہم یہ گئے"

"ارے ارے، یہ کس طرح ہو سکتا ہے" فاطمہ نے گھبرا کر کہا۔

"جی کیا مطلب، کیا کس طرح ہو سکتا ہے" محمود نے بھی بوکھلا
کر کہا۔

"بھئی فاطمہ تم کہاں ہو، ادھر آؤ نا محفل میں" گراؤنڈ کی طرف سے ایک موٹی سی لڑکی چلائی۔

"ابھی آئی" فاطمہ نے ہاتھ ہلا کر کہا، پھر ان سے بولی:

"اب آپ اس پارٹی میں شرکت کیے بغیر نہیں جا سکتے۔ آئیے"

"سوری، ہم پہلے ہی طعنے سن چکے ہیں کہ بن بلائے کیوں چلے آئے۔ اب ہم یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکیں گے۔ آؤ محمود چلیں" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"ہاں چلو" محمود بھی پیر پٹخ کر بولا۔

فاطمہ انہیں روکتی ہی رہ گئی — دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل آئے اور پھر سیدھے موٹر سائیکل تک پہنچے۔ دونوں کو فرزانہ پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ جب وہ گھر پہنچے تو جیپ کھڑی نظر آئی؛ گویا ان کے والد گھر آ چکے تھے اور وہ لیٹ ہو چکے تھے۔

رونے والا

"فرزانہ، تم نے اپنے بھائیوں کو ناراض کر دیا" فاطمہ نے گراؤنڈ کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں، مجھے افسوس ہے — میں یہی سمجھی تھی کہ وہ دعوت میں شرکت کرنے بن بلائے چلے آئے ہیں؛ حالانکہ بات یہ نہیں تھی" اس نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"وہ میرے روکنے پر بھی نہیں رکے۔ مجھے اس کا افسوس ہمیشہ رہے گا"

"خیر چھوڑو، اس خوشی کے موقعے پر تمہیں افسوس نہیں کرنا چاہیے" فرزانہ نے کہا، پھر بولی:

"حیرت ہے، یہ تحفہ کسی سے گر گیا اور اسے پتا بھی نہیں چلا"

"ہو سکتا ہے اس کے ہاتھ میں کئی پیکٹ ہوں اور کئی پیکٹوں میں سے یہ گر پڑا ہو" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں، اس کے علاوہ کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

دونوں گراؤنڈ میں اس جگہ پہنچ گئیں، جہاں سب لوگ جمع تھے اور درمیان میں ایک میز رکھی تھی۔

"ابّو، یہ پیکٹ کسی سے باہر گر گیا ہے۔ پوچھ لیں کس کا ہے، تاکہ وہ اس کے لیے پریشان نہ ہو۔" فاطمہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"گر گیا ہے؟" اس کے ابّو نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، یہ باہر پڑا ملا ہے۔"

"کیسے ملا ہے؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"فرزانہ کے بھائیوں کو — وہ اس طرف سے گزر رہے تھے:"

"اوہو اچھا۔" وہ چونک کر بولے: "کہاں ہیں وہ دونوں؟"

"وہ تو جا بھی چکے — میں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔" اس نے پھر افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"ہوں، خیر میں پوچھتا ہوں۔" یہ کہہ کر فاطمہ کے ابّو نے تحفے والا ہاتھ بلند کیا اور اونچی آواز میں بولے:

"آپ میں سے کسی سے یہ پیکٹ گیٹ کے آس پاس گر گیا ہے، اسے دیکھ کر اطمینان کر لیں — یہ تو خیر یہ فاطمہ کے لیے ہی ہے۔" سب مہمانوں نے پیکٹ کی طرف دیکھا — تیس سیکنڈ گزر گئے، لیکن کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ پیکٹ اس کا ہے — آخر فاطمہ کے ابّو

نے ایک بار پھر کہا:

"کیا یہ آپ لوگوں میں سے کسی کا نہیں؟"

اب بھی کوئی نہ بولا — آخر مزید تیس سیکنڈ بعد ایک آواز ابھری:

"ہو سکتا ہے، جس شخص سے یہ گرا ہو، وہ اس کی تلاش میں گیا ہوا ہو۔"

"اوہ ہاں — الطاف قاسم صاحب، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

"تو پھر شاہد صاحب، اسے دوسرے تحائف میں رکھ لیں۔ جب کوئی پوچھے گا تو بتا دیں گے۔" الطاف قاسم نے تجویز پیش کی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" شاہد سلیم نے کہا اور پیکٹ دوسرے تحائف کے درمیان رکھ دیا —

"ابھی کیک کاٹے جانے میں کچھ دیر باقی ہے، کیوں نہ کوئی صاحب گانا سنائیں۔" شاہد سلیم نے بلند آواز میں کہا۔

ان کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر انہوں نے خود ہی کہا:

"معلوم ہوتا ہے، پارٹی میں کوئی سنگر نہیں ہے — خیر تو پھر ہم ریکارڈ ہی لگا لیتے ہیں۔"

اس پر سب نے ایک قہقہہ لگایا — شاہد سلیم نے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبا دیا اور ایک نعت فضا میں گونجنے لگی۔

"انکل، یہ نعت کا کون سا موقع ہے۔" ایک لڑکی منہ بنا کر بولی۔

"گانوں سے بہتر ہے، آدمی نعت سن لے۔ آپ ذرا غور سے سنیں، بہت لطف آئے گا۔"

اور پھر واقعی اس نعت نے ایسا رنگ جمایا کہ وہ اس میں محو ہو کر رہ گئے۔ کسی کو کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ ہوش تو سب کو اس وقت آیا، جب نعت ختم ہو گئی۔

"بہت خوب انکل، آپ نے واقعی ایک لاجواب چیز سنائی۔ گانوں میں ایسا لطف کہاں۔" ایک لڑکی بولی۔

"شکریہ، اور اب کیک کاٹنے کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ میری اکلوتی بیٹی فاطمہ عرف منی کیک کاٹے گی۔" شاہد سلیم نے گویا اعلان کیا۔ سب میز کے گرد جمع ہو گئے۔ فرزانہ اور فاطمہ سب سے بعد میں میز کی طرف بڑھیں۔

"قاسم صاحب، آپ تحائف کی میز کے پاس کیوں کھڑے ہو گئے، آگے آئیے نا۔" شاہد سلیم بولے۔

"بھئی، بچیوں کے جھگڑے میں میں بوڑھا کیا اچھا لگوں گا۔" الطاف قاسم نے ہنس کر کہا۔

"بوڑھے، اور آپ۔ آپ تو میرے ہم عمر ہیں۔" شاہد سلیم نے ہنس کر کہا۔

"تو آپ اپنے آپ کو جوان سمجھتے ہیں۔" الطاف قاسم کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا۔

ابھی فاطمہ نے کیک کاٹنے کے لیے چھری ہاتھ میں پکڑی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی گنگنانے لگی۔

"لیجیے، فون کو بھی اسی وقت آنا تھا۔" فاطمہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تم کیک کاٹو بیٹی۔ میں دیکھتا ہوں، کون ہے۔" شاہد سلیم نے مسکرا کر کہا اور فون کی طرف بڑھے۔

"نہیں ابو، آپ فون سن رہے ہوں اور میں کیک کاٹوں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں تو صرف اس وقت کیک کاٹوں گی جب آپ میری طرف شفقت سے دیکھ رہے ہوں گے۔"

اور شاہد سلیم نے اس پر ایک پیار بھری نظر ڈالتے ہوئے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

○

"تم آج پورے بیس منٹ لیٹ ہو۔ پانچ بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں۔ جلد از جلد وجہ بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ابا جان، یہ بیس منٹ کسی کی ہمدردی کی نذر ہوئے ہیں۔" محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"میں تفصیل سُننا پسند کروں گا۔" وہ بولے۔

"جی بہتر" محمود نے کہا اور پارک میں جاوید اشرف سے ملاقات ہونے سے لے کر تحفہ شاہد سلیم کے گھر پہنچانے تک کا واقعہ سُنا دیا۔ انسپکٹر جمشید کی پیشانی پر بل پڑ گئے، پھر وہ بولے:

"اگر وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تحفہ اس طرح بھی اس کے بھائی کے گھر پہنچایا جا سکتا ہے، تو پھر تحفہ ساتھ کیوں لیے پھر رہا تھا، معلوم ہوتا ہے، تم سے کوئی بڑی بھاری غلطی ہو گئی ہے۔ جلدی سے شاہد سلیم کا فون نمبر ڈائریکٹری میں دیکھو، بلکہ فرزانہ کی نوٹ بک دیکھ لو۔" انہوں نے کہا۔

محمود دوڑا گیا اور فرزانہ کی نوٹ بک اٹھا لایا۔ اس میں شاہد سلیم کا فون نمبر موجود تھا۔ انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ انداز میں فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا اور بولے:

"ہیلو، کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"میں شاہد سلیم ہوں۔ آپ کون ہیں اور کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں شاہد صاحب، بے وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو، یہ آپ ہیں۔ آپ کی بیٹی تو میری بیٹی کی بہت گہری

سہیلی ہے۔"

"جی ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ کیا آپ کسی جاوید اشرف کو جانتے ہیں؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"جاوید اشرف۔" شاہد سلیم نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، کیا جاوید اشرف نامی آدمی آپ کے بڑے بھائی نہیں ہیں؟"

"نہیں تو، میرا تو دنیا میں کوئی بھائی ہے نہ بہن۔"

"اوہ، مجھے بھی یہی ڈر تھا۔ آپ فوری طور پر تحائف کے پاس سے ہٹ جائیے۔ خطرہ ہے، تحائف میں کوئی بم نہ ہو۔ میں آ رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور محمود سے بولے:

"شاہد سلیم کا کوئی بھائی سرے سے ہی نہیں ہے۔ آؤ جلدی کرو۔"

وہ تقریباً دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ جیپ میں بیٹھے اور پھر بلا کی رفتار سے شاہد سلیم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ بیگم جمشید بھونچکی سی انہیں جاتے دیکھتے رہ گئیں۔

"مجھے حیرت ہے، تم دونوں اس سے اس قدر جلد متاثر کیوں ہو گئے۔ تم نے سوچا نہ سمجھا اور اس کی بات پر یقین کر لیا۔" انسپکٹر جمشید نے تقریباً سڑک پر جاتے ہوئے کہا۔

"وہ بے تحاشا رو رہا تھا ابا جان، ہم نے اسی طرح روتے کسی

ادھیڑ عمر آدمی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا — بس ہم اسی بات سے دھوکا کھا گئے۔"

"کیا تم نے کبھی نہیں سنا کہ ڈراموں اور فلموں میں اداکار بھی بے تحاشا روتے ہیں — تو پھر، کیا وہ سچ مچ روتے ہیں — ان کے آنسو سو فی صد مصنوعی ہوتے ہیں، جو گلیسرین وغیرہ جیسی چیزیں آنکھ میں لگانے سے بہنے لگتے ہیں، اس نے ہاتھوں پر کوئی ایسی ہی چیز لگا رکھی ہو گی — پہلے اس نے ہاتھوں کو صرف آنکھوں کے نزدیک کیا ہو گا، جس سے اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، پھر بعد میں جب تم اس کی طرف متوجہ ہو گئے، تو اس نے آنکھوں پر باقاعدہ لگا دیا ہو گا اور اس کے آنسو زور سے بہنے لگے ہوں گے۔"

"اوہ، ہم نے اس پہلو پر بالکل بھی دھیان نہیں دیا۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"اور پھر تم نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ وہ پیکٹ کیوں ساتھ لیے پھر رہا ہے۔ کیا اسے پہلے سے امید تھی کہ تم دونوں اس کی مدد کرنے پر تیار ہو جاؤ گے — جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ تم دونوں سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ تم یہ کام ضرور کرو گے۔ اسی لیے وہ سیدھا اس بنچ پر آ کر بیٹھ گیا، جس کے پاس تم کام کر رہے تھے۔ پھر ایک اور غلطی تم نے یہ کی کہ پیکٹ فاطمہ کو دے آئے — تمہیں چاہیے تھا کہ پیکٹ شاہد سلیم کو دیتے۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان، جاوید اشرف کی کہانی کے مطابق ہم پیکٹ شاہد سلیم کو کس طرح دے سکتے تھے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں خیر، یہ ٹھیک ہے۔ اصل غلطی تم سے یہی ہوئی کہ اس کی کہانی پر اعتبار کر بیٹھے۔ ویسے اگر تمہاری جگہ میں ہوتا اور اس کے آنسوؤں سے متاثر ہو کر اور اس کی کہانی پر اعتبار کر کے پیکٹ شاہد سلیم کی کوٹھی تک پہنچانے پر تیار بھی ہو جاتا، تو بھی میں وہاں جانے سے پہلے شاہد سلیم کو فون کر کے یہ ضرور پوچھتا کہ ان کے بڑے بھائی کا نام جاوید اشرف تو نہیں ہے —"

"ہم سے واقعی غلطی ہوئی ہے ابا جان۔" محمود نے کہا۔

"کاش، میرا فون سنتے ہی انہوں نے گراؤنڈ خالی کر دیا ہو اور پیکٹوں سے دور ہٹ گئے ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

دونوں خاموش رہ گئے۔ کہہ بھی کیا سکتے تھے اور پھر شاہد سلیم کی کوٹھی انہیں دور سے ہی دکھائی دینے لگی۔ نزدیک پہنچنے پر انہوں نے دیکھا، تمام لوگ کوٹھی سے باہر کھڑے تھے اور ایک میلہ سا لگا نظر آ رہا تھا۔ جوں ہی ان کی جیپ نزدیک پہنچی — فرزانہ تیر کی طرح ان کی طرف آئی —

"خیر تو ہے ابا جان، یہ فون کیسا تھا؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔ آؤ، شاہد سلیم کون سے ہیں؟"

"میں یہ رہا جناب، ان حالات میں بھی مجھے آپ سے مل کر

بہت خوشی ہوئی۔" انہوں نے شگفتہ آواز میں کہا۔

"شکریہ، میں وہ فون کرنے پر مجبور تھا۔ ایسا صرف بچاؤ کی خاطر کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے، میں غلطی پر ہوں اور یہاں سرے سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ پہلے میں آپ کو ساری بات بتا دوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے جاوید اشرف نامی آدمی کی محمود اور فاروق سے ملاقات کا حال کہہ سنایا۔ آخر بولے:

"اور وہ پیکٹ اب یہاں دوسرے پیکٹوں میں موجود ہے، میں نے یہی سوچ کر فون کیا تھا کہ کہیں اس میں کوئی بم تو نہیں، کیونکہ شاہد سلیم صاحب، آپ کا کہنا ہے کہ جاوید اشرف نام کا کوئی آدمی آپ کا بھائی نہیں ہے۔"

"جی ہاں، میں بتا چکا ہوں کہ میرے کوئی بھائی ہے نہ بہن۔"

"ان حالات میں تو آپ نے بہت ہی اچھا کیا۔" ایک طرف سے آواز آئی۔ انسپکٹر جمشید نے چونک کر ادھر دیکھا۔ شاہد سلیم فوراً بول اٹھے۔

"یہ میرے بہت ہی اچھے دوست الطاف قاسم ہیں۔"

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، بلکہ آپ سب لوگوں سے اور آپ کو جو پریشانی اٹھانا پڑی۔ اس کے لیے تو مجھے بہت ہی ندامت ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں جناب، آپ نے آخر یہ قدم ہم سب کی

بھلائی کی خاطر ہی اٹھایا ہے۔" ایک اور مہمان نے کہا۔

"ویسے یہ پارٹی کس وقت تک جاری رہنا تھی۔"

"تقریباً ایک گھنٹے تک۔" شاہد سلیم نے کہا۔

"لیکن ہم ایک گھنٹے تک یہاں نہیں کھڑے رہ سکتے۔ کیوں نہ آپ آس پاس کے کسی گھر میں پناہ لے لیں۔ میں چند ماہرین کے ذریعے ان پیکٹوں کو چیک کرانا چاہتا ہوں، کیونکہ اب یہ تو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ پیکٹ کون سا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"جیسے آپ مناسب خیال کریں۔" شاہد سلیم نے کہا۔

اور پھر ان کی ہدایت کے مطابق سب لوگ نزدیک کی ایک کوٹھی میں چلے گئے۔ آس پاس والوں نے بھی اپنی کوٹھیاں خالی کر دیں پھر ماہرین پہنچ گئے۔ انہوں نے بموں سے محفوظ رہنے والا لباس پہن رکھا تھا اور ان کے پاس ایسے آلات تھے، جن کی مدد سے وہ بم کا پتا چلا سکتے تھے۔ جلد ہی انہوں نے کام شروع کر دیا۔ چونکہ انسپکٹر جمشید اور وہ تینوں بھی غیر محفوظ تھے، اس لیے انہیں بھی باہر ہی رہنا پڑا۔ اس کام میں تقریباً ایک گھنٹا لگ گیا۔ اس دوران پارٹی کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا؛ گویا اگر بم پھٹنا ہوتا تو پھٹ چکا ہوتا۔ ماہرین باہر نکلے اور ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر انسپکٹر جمشید سے کہا:

"دیکھیے، کھول کر دیکھ لیں، کوئی بم نہیں ہے جناب۔"

"دیکھا آپ نے، ہم پوری طرح اطمینان کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" وہ بولا۔

"میزوں کے نیچے بھی دیکھ چکے ہیں۔ کہیں وہ پیکٹ نیچے نہ رکھ دیا گیا ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ مجرم کا کوئی ساتھی مہمانوں میں شامل رہا ہو۔"

"جی ہاں! ہم نے تمام میزوں کے نیچے بھی دیکھ لیا ہے اور پھر ہمارے پاس جو آلات ہیں، ان آلات کے لیے یہ ضروری نہیں کہ پارسل یا پیکٹ ان سے چھو کر ہی دیکھا جائے۔ کئی گز دور بھی اگر کسی چیز میں بم چھپا ہے تو یہ ظاہر کر دیتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تب پھر آپ نے اتنی دیر کیوں لگائی؟" انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"ہم نے صرف گراؤنڈ ہی نہیں، پوری کوٹھی کو دیکھا بھالا ہے۔ تحائف کے پیکٹوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔ بعض بم بہت ہی جدید ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں ذرا باریک بینی سے دیکھنا پڑتا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ، تو ہم بے فکر ہو کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں بالکل۔" وہ بولا۔

اور وہ اندر داخل ہو گئے، لیکن صرف وہ چاروں۔ باقی لوگوں کو انہوں نے ابھی باہر ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔

"چلو بھئی، اس پیکٹ کو تلاش کرو، جو تمہیں جاوید اشرف نے دیا تھا۔ اگر اس میں بم نہیں تو پھر کیا ہے، کیونکہ کسی فرضی بھائی یا تایا کو یہ ڈراما کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر۔" محمود نے کہا اور تینوں پیکٹوں کو بغور دیکھ دیکھ کر ایک طرف رکھنے لگے۔ یہاں تک کہ تمام پیکٹ دیکھ ڈالے گئے اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"حیرت ہے، وہ پیکٹ تو یہاں ہے ہی نہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اوہ، کیا تمہیں پوری طرح یقین ہے؟"

"جی ہاں — اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے سنہری ربن سے باندھا گیا تھا۔ جب کہ ان تمام پیکٹوں میں کوئی بھی سنہری ربن والا پیکٹ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سائز اور وزن کا بھی ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے۔ بہت ہلکا پھلکا سا تھا۔"

"لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پیکٹ تم نے فاطمہ کو دیا تھا۔ اس صورت میں تو وہ یہیں ہونا چاہیے تھا۔ ٹھہرو، میں شاہد صاحب سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ مڑے اور پھر گیٹ پر پہنچ کر بولے:

"آپ سب لوگ آ جائیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس پیکٹ کی خاطر اتنی پریشانی مول لی گئی، وہ تو یہاں موجود ہی نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ پیکٹ جا کہاں سکتا ہے۔ کیوں شاہد صاحب آپ بتا سکتے ہیں؟"

"پیکٹ غائب ہے، لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" شاہد سلیم کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"یہ ہم کیا بتا سکتے ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ محمود، فاروق
اور فرزانہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے پیکٹ کو بغور دیکھا بھالا تھا۔ اس
پر سبز رنگ کا کاغذ لپیٹ کر سنہری ربن سے باندھا گیا تھا، لیکن اتفاق
سے یہاں ایک بھی سنہری ربن والا پیکٹ نہیں ہے۔ ہاں سبز کاغذ
والے کتنے ہی پیکٹ موجود ہیں۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"عجیب بات ہے۔ جس وقت سے وہ پیکٹ یہاں پہنچا تھا،
اس وقت سے آپ کا فون ملنے تک کوئی مہمان بھی یہاں سے واپس
نہیں گیا۔ ملازم تو تحائف والی میز کے پاس بھی نہیں آئے، پھر بھلا
پیکٹ کہاں جا سکتا ہے۔" شاہد صاحب نے کہا۔

"کہیں نہ کہیں تو خیر وہ گیا ہے۔ اگر نہ گیا ہوتا تو انہی پیکٹوں
میں ہوتا۔ اب لے دے کے ہمارے پاس ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے،
اگرچہ اس سے بھی حاصل کچھ نہیں ہوگا؛ تاہم اس سے یہ ضرور
معلوم ہو جائے گا کہ وہ تحفہ غائب ہے یا نہیں، کیونکہ یہ بھی تو ہو
سکتا ہے کہ کسی طرح اس کا ربن کھل گیا ہو۔" انہوں نے عجیب سے
انداز میں کہا۔

"اور وہ طریقہ کیا ہے؟" الطاف قاسم نے دلچسپی لیتے ہوئے
پوچھا۔

"یہ کہ سب مہمان اپنا اپنا تحفہ اپنے ہاتھ میں اٹھا لیں، نہ صرف
اٹھا لیں، بلکہ کھول کر اطمینان بھی کر لیں کہ پیکٹ انہی کا ہے۔ انہوں

نے کوئی غلط پیکٹ تو نہیں اٹھا لیا۔ اس طرح اگر ایک پیکٹ بچے
پڑا رہ گیا تو وہ وہی پیکٹ ہوگا جو اس فرضی تایا نے بھیجا تھا۔
اور... میں اس کے بارے میں تو بھول ہی گیا۔ ٹھیک ہے، آپ لوگ
اپنے تحفے اٹھا لیں۔" یہ کہہ کر وہ جلدی سے فون کی طرف لپکے۔
سلسلہ فوراً ہی مل گیا اور اکرام کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو اکرام، تمہیں اسی وقت ایک شخص کو چیک کرنا ہے۔ اس
نے اپنا نام جاوید اشرف بتایا تھا، پتا نوٹ کرو۔" یہ کہہ کر انہوں نے
محمود سے پتا پوچھا اور اکرام کو نوٹ کرا دیا، پھر بولے:

"تمہیں بس اتنا پتا کرنا ہے کہ اس جگہ جاوید اشرف نام کا
کوئی شخص رہتا ہے یا نہیں اور مجھے اس نمبر پر اطلاع دینا۔" یہ کہہ
کر انہوں نے شاہد سلیم کے نمبر نوٹ کرا دیے، پھر ریسیور رکھ کر مہمانوں
کی طرف مڑے۔ وہ ابھی تک اپنے اپنے تحفے چھانٹ رہے تھے۔
اس کام میں کافی الجھن پڑی، کیونکہ عام طور پر پیکٹ ایک رنگ
اور ایک سائز کے تھے۔ آخر آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد سب کے ہاتھ
میں ایک ایک تحفہ نظر آیا۔

"آپ لوگ کھول کر اپنا اطمینان بھی کر چکے کہ آپ نے کوئی
غلط تحفہ نہیں اٹھایا؟"

"جی ہاں، اچھی طرح اطمینان کر چکے۔"

"تب پھر، میز پر اب کوئی تحفہ نہیں ہے اور اس کو صاف

مطلب یہ ہے کہ وہ تحفہ جو پہلے ہی پر اسرار طریقے سے یہاں پہنچا تھا۔ یہاں سے کسی نے غائب کر دیا ہے۔"

"اوہ، لیکن کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" شاہد سلیم نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"کوئی تو ضرورت ہوگی، لیکن آپ کا کہنا ہے کہ مہمانوں میں سے کوئی بھی ابھی واپس نہیں گیا اور یہ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ سب کے ہاتھ میں ایک ایک تحفہ ہے۔ اس سے میں صرف ایک ہی نتیجے پر پہنچ پایا ہوں، اور وہ یہ کہ ہو نہ ہو، تحفہ شاہد صاحب کی کوٹھی میں ہی کہیں چھپا دیا گیا ہے۔"

"کیا؟" وہ سب ایک ساتھ چلائے اور اسی طرح ایک شاندار 'کیا' گونج اٹھا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں، ہم اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں سوچ سکتے، لہذا آپ لوگ اب پارٹی شروع کر سکتے ہیں۔ کھانے پینے میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ ہم لوگ پوری کوٹھی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں، اگر شاہد صاحب کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو خود چاہتا ہوں تحفے کا معاملہ صاف ہو جائے۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"لیکن شاہد، یہ تو کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو کھائیں پئیں اور یہ لوگ تلاشی میں مصروف رہیں، کیا یہ بہتر نہیں

ہوگا کہ یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوں اور بعد میں اپنا کام شروع کریں۔" الطاف قاسم نے کہا۔

"جی نہیں، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"وہ کیوں؟" شاہد سلیم چونکے۔

"اس لیے کہ ہمیں دعوت نہیں دی گئی تھی۔ ہاں، فرزانہ کو دی گئی ہے۔ وہ ضرور شریک ہو سکتی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ میزبان آپ کو شریک کر رہے ہیں۔"

"اس کے باوجود میں یہ پسند نہیں کرتا۔ یوں بھی ہمیں اپنا کام ختم کرنے میں کافی وقت لگ جائے گا، لہذا آپ شروع کریں، ادھر ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں۔"

فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دینا پسند کیا۔ اگرچہ انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا بھی کہ بھئی تم دعوت میں دوسروں کا ساتھ دو۔ فاطمہ برا مانے گی، لیکن اس نے پروا نہ کی اور ان کے ساتھ تلاشی کی مہم میں شریک ہو گئی۔

"یہ معاملہ ہماری سمجھ میں تو آیا نہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو۔ ابھی کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا، ہاں جو اس معاملے کا ذمے دار ہے۔ وہ ضرور جانتا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"کیا آپ کا اشارہ جاوید اشرف کی طرف ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"اس کی طرف بھی اور جس نے پیکٹ غائب کیا ہے، اس کی طرف بھی۔" انہوں نے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جب آپ نے یہاں فون کیا اور سب لوگ افراتفری کے عالم میں بھاگے تو جس شخص کو اس پیکٹ کی حقیقت کا پتا تھا، اس نے لوگوں کی بدحواسی سے فائدہ اٹھا کر سب کی نظروں سے بچتے ہوئے وہ پیکٹ اٹھا لیا ہو اور ادھر ادھر کر دیا ہو گا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"میں بھی انہی لائنوں پر سوچ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے تو اس معاملے میں سرے سے کوئی لائن ہی نظر نہیں آ رہی۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تو پھر عینک لگوا لو۔ کہیں نظر اور کمزور نہ ہو جائے اور تمہیں ہم بھی نہ نظر آ سکیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"مشورے کا شکریہ۔" فاروق نے کڑوا سا منہ بنایا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس پیکٹ کو کیوں ڈھونڈ رہے ہیں؟" محمود نے کہا۔

"یہ دیکھنے کے لیے کہ اس میں کیا ہے۔ کم از کم اس میں بم تو نہیں تھا، ورنہ ماہرین اسے آلات کی مدد سے ضرور تلاش کر لیتے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور اگر وہ نہ ملا، تو شاید ہم کبھی یہ بات نہ جان سکیں کہ اس پیکٹ میں کیا تھا۔" فاروق بولا۔

"بھلا جان کیوں نہ سکیں گے۔ کوٹھی میں موجود تمام مہمانوں میں سے ایک ضرور ایسا ہے، جس نے وہ پیکٹ کہیں چھپا دیا ہے۔ اگر ہم پیکٹ تلاش نہ کر سکے، تو بھی ان مہمانوں کو چیک تو کر ہی سکیں گے۔ اگرچہ یہ کافی تکلیف دہ کام ہو گا۔" انہوں نے کہا۔

"اور ہم دونوں شہر میں جاوید اشرف کو تلاش کرتے پھریں گے۔" محمود بولا۔

"وہ میک اپ میں رہا ہو گا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔ گھبراہٹ اسے اس بات سے ہوئی تھی کہ کہیں واقعی اس شخص کو سارے شہر میں نہ تلاش کرنا پڑے۔ انسپکٹر جمشید بے ساختہ مسکرا دیے، پھر بولے۔

"فاروق کا یہ خیال بھی زوردار ہے کہ جاوید اشرف یا جو کچھ بھی اس کا نام رہا ہو، میک اپ میں تھا۔ اور تم دونوں کے وہاں سے ہٹتے ہی اس نے میک اپ ختم کر دیا ہو گا، بلکہ وہاں سے چلتا بھی بنا ہو گا۔"

"خدا کا شکر ہے، کبھی اس کا بھی کوئی خیال زوردار ثابت ہوا۔ مجھے حسرت ہی رہتی کہ کبھی فاروق کا خیال بھی زوردار ثابت ہو۔" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"میرا مذاق اڑانے کی کوشش کرنے والے ہمیشہ منہ کی کھایا کرتے

ہیں۔" فاروق جل بھن کر بولا۔

"ارے باپ رے" فرزانہ بوکھلا کر بولی۔

باتوں کے ساتھ ساتھ وہ تلاشی کا کام بھی کر رہے تھے۔ اچانک ایک ملازم نے ان کی طرف آتے ہوئے کہا:

"آپ کا فون ہے جناب"

"یہ ضرور اکرام کا فون ہوگا۔ صاف ظاہر ہے، اسے جاوید اشرف نام کا کوئی آدمی نہیں ملا ہوگا۔"

وہ تلاشی درمیان میں چھوڑ کر فون کی طرف لپکے۔ محمود فاروق اور فرزانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں"

"میں اکرام ہوں سر۔ ظاہر آباد۔ بی بلاک کے کوارٹر نمبر تیس میں ایک جاوید اشرف نامی آدمی رہتا ہے۔"

"کیا؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا اور پھر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

کہیں ایسا تو نہیں

"جی ہاں، یہ درست ہے۔ میں نے اطمینان کر لیا ہے۔" اکرام کی آواز سنائی دی۔

"تو کیا تم اس سے مل چکے ہو۔" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

"جی نہیں، میں نے آس پاس کے لوگوں سے پوچھا ہے۔ ویسے دروازے پر جاوید اشرف کے نام کی تختی بھی لگی ہوئی ہے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ، تب تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے جاوید اشرف کا نام اور پتا دیکھ رکھا ہو اور محمود اور فاروق کو بتا دیا ہو۔" انہوں نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں، آپ کیا فرما رہے ہیں۔"

"وہیں موجود رہو اکرام، اس مکان کی نگرانی جاری رکھو، ہم پہنچ رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے:

"تو بھئی، ظاہر آباد بی بلاک کے کوارٹر نمبر تیس میں کوئی جاوید اشرف نام کا آدمی رہتا ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ اس دوران شاہد سلیم بھی وہاں آ چکے تھے۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔

"خیر تو ہے جناب۔"

"شاہد صاحب! کیا آپ کا جاوید اشرف نامی کوئی شخص واقعی بھائی نہیں ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر میرا کوئی بھائی ہوتا تو بھلا مجھے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔" انہوں نے بُرا مان کر کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ جس شخص نے انہیں وہ پیکٹ دیا تھا، اس نے اپنا نام جاوید اشرف بتایا تھا، اپنا پتا بھی لکھوایا تھا اور آپ کو اپنا چھوٹا بھائی بتایا تھا۔ میں نے اپنے اسسٹنٹ کو اس پتے پر بھیجا تھا، تاکہ معلوم ہو سکے، اس پتے پر کون رہتا ہے: چنانچہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وہاں تو واقعی جاوید اشرف نام کا آدمی رہتا ہے۔"

"اوہو، عجیب بات ہے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اس شخص نے ادھر سے گزرتے ہوئے جاوید اشرف کا نام اور پتا نوٹ کر لیا ہوگا، تاکہ ان کے پوچھنے پر بتا سکے، ظاہر ہے، وہ اپنا اصلی نام اور پتا تو بتا نہیں سکتا تھا۔"

"ضرور یہی بات ہے، لیکن میں اب تک حیران ہوں، کسی کو اس قدر پراسرار طریقے سے تحفہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اور اس تحفے کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم اس سلسلے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں۔ آپ سے صرف اتنی درخواست ہے کہ اپنے تمام مہمانوں میں سے کسی کو بھی اندر نہ جانے دیجیے گا۔ ہم ابھی واپس آ کر اپنی تلاشی شروع کریں گے۔ اور ہاں، آپ کے پاس اپنے تمام مہمانوں کی فہرست تو ہوگی۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ پہلے تو فہرست ہی بنائی گئی تھی، پھر اس کے مطابق ہی دعوت نامے بھیجے گئے تھے۔" انہوں نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ ہمارا پہلے جاوید اشرف کو چیک کرنا ضروری ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔ فرزانہ تم یہیں ٹھہرو۔ کیونکہ جاوید اشرف کو پہچاننے کا کام یہ دونوں کر لیں گے۔ تمہارے یہاں ٹھہرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ چاروں طرف نظر رکھ سکو گی۔ کوئی شخص بھی پیکٹ نما کوئی چیز باہر نہ لے جانے پائے۔ مجھے ڈر ہے، جس شخص نے بھی یہاں سے پیکٹ ادھر ادھر کیا ہے، وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کی فکر میں ہوگا۔ اس لیے شاہد صاحب، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمارے واپس آنے تک کسی بھی مہمان کو نہ جانے دیں۔ کسی بہانے، نہیں روکے رکھیں۔"

"جی بہت اچھا، میں ابھی مہمانوں کے لیے کافی تیار کرنے کا حکم

دیتا ہوں۔ ظاہر ہے، اس میں کچھ وقت تو لگ ہی جائے گا۔ امید ہے
اس وقت تک آپ آ جائیں گے۔"

"ہاں بالکل، ظاہر آباد کا یہاں سے فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔"

اور وہ تینوں جیپ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ معاملہ عجیب تھا۔
اور ابھی تک اس کے سر پیر کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ ان کے ذہن
اُلجھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں گم تھے، لہٰذا انہوں نے بھی خاموش
رہنا ہی مناسب خیال کیا اور پھر ایک جگہ انہیں اکرام کھڑا نظر آیا۔
انہوں نے جیپ اس کے پاس روک لی۔ پھر اس کے ساتھ کوارٹر نمبر
تیس کی طرف بڑھے۔ پورے ظاہر آباد میں کوارٹر ہی کوارٹر بنے ہوئے
تھے۔ یہ کوارٹر حکومت نے درمیانے درجے کے لوگوں کے لیے بنوائے
تھے اور قسطوں پر دیے جاتے تھے۔ حکومت کے اس اقدام سے
بے شمار لوگوں کو بہت آسانی ہو گئی تھی۔

"چلو اکرام، دستک دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دستک کے جواب میں فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک شخص کی صورت
دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی محمود اور فاروق کی آنکھیں حیرت کی زیادتی
سے پھیل گئیں۔ یہ وہی شخص تھا جو نیشنل پارک میں انہیں زار و قطار
روتا نظر آیا تھا۔

"اوہو، آپ لوگ۔ آئیے آئیے، تشریف لائیے۔" اس نے چونک
کر کہا اور انسپکٹر جمشید بھی سمجھ گئے کہ یہ وہی شخص ہے؛ چنانچہ وہ اندر
داخل ہو گئے۔ جاوید اشرف نے انہیں ڈرائنگ روم نما ایک کمرے میں
لا بٹھایا، پھر بولا:

"میں جانتا ہوں، آپ لوگ کس لیے آئے ہیں۔ یہ بھی جانتا تھا،
آپ لوگ ضرور آئیں گے۔" اس نے اداس انداز میں مسکرا کر کہا۔

"ذرا وضاحت کریں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ شاہد سلیم کا کہنا
ہے کہ آپ اس کے بڑے بھائی ہرگز نہیں ہیں، بلکہ ان کا تو سرے
سے کوئی بھائی بہن ہے ہی نہیں، پھر آپ نے وہ پیکٹ کیوں بھجوایا تھا۔
اس پیکٹ میں کیا تھا، آخر یہ چکر کیا ہے؟"

"میں عرض کرتا ہوں۔ میں بہت مجبور تھا۔ مجھے اپنے بچوں کا
سالانہ امتحان کا داخلہ ادا کرنا تھا اور میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔
ایسے میں ایک شخص مجھے ملا۔ اس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا، 'کیوں میاں
کیا بات ہے۔ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو۔' اس کے لہجے میں
ہمدردی گھلی تھی۔ سو میں نے اسے بتا دیا کہ کس لیے پریشان ہوں۔
میری پریشانی سن کر اس نے کہا:

'میں بھی پریشان ہوں اور میری پریشانی یہ ہے کہ میں اپنے
بھتیجے کو ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں، لیکن بھائی کے گھر کے دروازے
مجھ پر بند ہیں۔ میں چاہتا ہوں کسی طرح وہ پیکٹ اس گھر تک پہنچ

جائے۔ اگر تم وہ پیکٹ اس گھر تک پہنچا دو تو میں تمہیں تمہارے بچوں کی فیس داخلہ ادا کر دوں گا۔"

اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں — میں فوراً تیار ہو گیا۔ اس پر اس نے مجھے وہ پیکٹ دیا اور وہ ساری باتیں بتائیں جو میں نے ان دونوں سے کہی تھیں۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے پیکٹ خود پہنچانے کی بجائے انہیں کیوں دیا، تو جناب، مجھے اس معاملے میں کوئی چکر محسوس ہوا تھا — میں نے سوچا، کیوں نہ پیکٹ محمود اور فاروق کے ذریعے بھیجا جائے۔ اس طرح اگر اس معاملے میں کوئی چکر ہوا تو پتا چل جائے گا — فیس داخلہ مجھے اس نے دے ہی دی تھی۔ میں آپ لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ دونوں ہر روز شام کو نیشنل پارک میں بیٹھتے ہیں — یہ ہے کل کہانی۔"

"ہم سمجھ گئے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے آنسو کس طرح بہائے تھے؟"

"میں اپنے ہاتھوں پر پیاز کا پانی اچھی طرح لگا کر پارک میں پہنچا تھا۔" اس نے کہا۔

"اس شخص نے اپنا نام اور پتا بتایا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، اس نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔" وہ بولا۔

"اچھا خیر، اس کا حلیہ تو آپ بتا ہی سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں، کیوں نہیں — وہ ایک لمبے قد کا سرخ و سفید رنگ کا آدمی تھا۔ اس کے سر کے بال سرخی مائل تھے۔ آنکھیں سبز رنگ کی تھیں۔ چہرے پر باریک مونچھیں تھیں، ناک بہت پتلی اور چھوٹی سی تھی، چہرہ بھرا بھرا۔" اس نے بتایا۔

"وہ دوبارہ آپ کے سامنے آئے تو آپ پہچان لیں گے؟"

"جی ہاں، بالکل — ہم نے کئی منٹ تک باتیں کی تھیں۔"

"آپ کی ملاقات کہاں ہوئی تھی اس سے؟"

"ظاہر آباد ہی کی سڑک پر — میں گھر سے نکلا ہی تھا کہ وہ مل گیا، پھر میں اسے اپنے گھر ہی لے آیا — مطلب یہ کہ ہم نے اسی کمرے میں بیٹھ کر بات کی تھی۔"

"اور یہ بات چیت کس وقت ہوئی؟"

"آج دوپہر دو بجے کے قریب۔"

"اس نے کیا کہا تھا؟ پیکٹ پہنچانے کی اطلاع اسے دی جائے گی یا وہ خود پوچھے گا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا کہ پیکٹ وہاں پہنچنے کی اطلاع اسے خود بخود ہو جائے گی۔ فاطمہ منی اس کا شکریہ ضرور ادا کرے گی۔" اس نے بتایا۔

"آپ نے ایک عدد خطرہ مول لے لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید فکر مندانہ لہجے میں بولے۔

"جی کیا مطلب؟" وہ گھبرا اٹھا۔

"اگر پیکٹ کا چکر مجرمانہ ہے تو اس شخص کو یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی کہ پیکٹ آپ نے خود نہیں، کسی اور کے ہاتھ بھیجا تھا اور یہ بھی کہ اب ہم لوگ اس معاملے کی تفتیش کر رہے ہیں۔ اب اگر یہ معاملہ سنگین ہوا اور وہ پکڑا گیا، تو ظاہر ہے، اس کی شناخت کے لیے آپ کو ہی بلایا جائے گا اور وہ یہ پسند نہیں کرے گا کہ آپ اسے شناخت کر سکیں، لہٰذا مجھے ڈر ہے، ایسا وقت آنے سے پہلے ہی وہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچانے کی کوشش کرے۔"

"اوہ، آپ نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"آپ کو خطرے سے خبردار کر دینا میرا فرض تھا۔ آپ محتاط رہیں۔ میرے دفتر اور گھر کے فون نمبر نوٹ کر لیں۔ اگر کوئی پریشانی محسوس ہو تو فوراً مجھے فون کر دیں۔ اس شہر میں اگر آپ کا کوئی اور ٹھکانا ہو تو رات کے وقت وہاں چلے جائیں اور کچھ روز تک وہاں ہی رہیں۔ جب تک کہ یہ معاملہ نبٹ نہ جائے۔"

"افسوس، میرا کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے۔"

"خیر، پھر آپ اپنے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں ہر وقت بند رکھیں۔ اور ....."

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ ان کی نظریں دروازے کے قریب فرش پر جم کر رہ گئی تھیں۔ وہاں ایک لفافہ پڑا تھا۔ اس کمرے کا ایک دروازہ سڑک کی طرف تھا اور اسی دروازے سے انہیں اندر

لایا گیا تھا، لیکن جس وقت وہ اندر آئے تھے، اس وقت فرش پر کوئی لفافہ نہیں تھا۔

"یہ — یہ لفافہ کیسا ہے۔" جاوید اشرف نے بھی ان کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے لفافہ دیکھ لیا۔

"یہ ضرور اس شخص کی طرف سے کوئی پیغام ہے۔ محمود، فاروق فوراً باہر نکل کر دیکھو۔ جاوید اشرف صاحب کے بیان کردہ حلیے کا کوئی آدمی آس پاس موجود تو نہیں ہے اور اگر موجود ہو تو اسے نظر میں رکھو۔ وہ نکل نہ جائے۔"

محمود اور فاروق دروازہ کھول کر فوراً باہر نکل گئے۔ اس دوران انسپکٹر جمشید لفافہ اٹھا کر اس میں سے کاغذ نکال چکے تھے۔ لکھا تھا:

"تم نے پیکٹ خود نہ پہنچا کر اچھا نہیں کیا۔ اب اگر مجھ پر کوئی مصیبت ٹوٹی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ الفاظ پڑھ کر وہ سناٹے میں آ گئے۔ جاوید اشرف کا تو رنگ اڑ گیا۔ لگا تھر تھر کانپنے۔ اسی وقت محمود اور فاروق اندر داخل ہوئے۔

"باہر دور دور تک کوئی نہیں ہے ابا جان۔" محمود نے کہا۔

"حیرت ہے، اتنی جلدی وہ غائب بھی ہو گیا۔ ضرور کسی گاڑی میں بیٹھ کر گیا ہو گا۔ خیر کوئی بات نہیں، یہ پڑھ لو۔ مجھے بھی یہی اندازہ تھا۔"

انہوں نے بھی کاغذ پر لکھی تحریر پڑھی اور فکرمند ہو گئے۔

"آپ کو بہت احتیاط سے باہر آنا جانا چاہیے، امید ہے خیال رکھیں گے۔"

"جی بہتر۔" اس نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کے گھر کے کتنے افراد ہیں؟"

"چار — دو ہم میاں بیوی اور دو میری لڑکیاں۔"

"اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔"

اس سے رخصت ہو کر وہ شاہد سلیم کی کوٹھی پہنچے۔ یہاں سب مہمان کافی سے دل بہلا رہے تھے۔ وہ سیدھے فرزانہ کی طرف آئے۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے ابا جان — مہمانوں میں سے کسی نے بھی کوٹھی کے اندرونی حصے میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ ادھر کیا ر

انہوں نے ادھر کے حالات کہہ سنائے۔ فرزانہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ جلدی سے بولی۔

"اس کا مطلب ہے، معاملہ الجھ گیا ہے۔"

"معاملوں کا الجھنا تو ہمارے لیے روز مرہ کی بات ہو کر رہ گ ہے، تم اتنا خوش کس لیے ہو رہی ہو؟" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"اب میں غمگین ہونے سے تو رہی۔"

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔" محمود بولا۔

"اب ہمیں تلاشی شروع کر دینی چاہیے۔"

اور انہوں نے اسی جگہ سے تلاشی شروع کر دی جہاں چھ

گئے تھے اور پھر پوری کوٹھی اچھی طرح دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں وہ پیکٹ کہیں نہ ملا۔

"حیرت ہے، پیکٹ آخر کہاں چلا گیا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"میں حیران ہوں، یہ ایک ہی مطلب صرف محمود اور فرزانہ ہی کی سمجھ میں کیوں آتا ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ تم اپنی عقل کو خرچ کرنے سے ڈرتے ہو، کہیں بالکل ہی ختم نہ ہو جائے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"ہاں محمود، اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"یہ کہ پیکٹ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی کوئی شخص ادھر ادھر کر چکا تھا، یعنی اس کوٹھی سے باہر کر چکا تھا۔" محمود نے کہا۔

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر انسپکٹر جمشید بولے۔

"شاید ایسا ہی ہوا ہے، لیکن اب ہم اس پیکٹ کا راز کس طرح جان سکیں گے۔"

"یہی بات تو ہمیں پریشان کر رہی ہے۔" محمود نے کہا۔

"پھر دیکھا جائے گا — میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔"

وہ شاہد سلیم کے پاس آئے، انہیں بتایا کہ وہ پیکٹ تلاش نہیں کر سکے، تاہم وہ اس سلسلے میں تفتیش جاری رکھیں گے اور جلد از جلد انہیں اصل حقیقت بتائیں گے۔ انہوں نے مہمانوں کی فہرست ان سے لی اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ محسوس کر رہے تھے۔ آج انہیں مکمل طور پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ تو کچھ زیادہ ہی چپ چپ تھے۔

"لے دے کے اب ہمارے پاس یہ فہرست اور مجرم کی وہ تحریر ہی ہے جو اس نے جاوید اشرف کو لکھی ہے۔ ہمیں ان دونوں چیزوں کے سہارے آگے بڑھنا ہے۔ تحریر تو میں اکرام کے حوالے کر دوں گا تاکہ وہ مجرموں کی ریکارڈ میں موجود تحریروں سے ملا کر دیکھے اور مہمانوں کی فہرست متیر سوچتا ہوں۔ تم اس فہرست پر غور کرو گے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو گے کہ مہمانوں میں سے وہ کون شخص ہو سکتا ہے، جس نے تحفہ اڑایا ہے۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"کہیں تحفے کے پر نہ نکل آئے ہوں اور وہ پھر سے اڑ نہ گیا ہو" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"ایسے بے پر کے خیال اپنے پاس ہی رکھو۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیکن ابا جان، مہمانوں کی فہرست دیکھ کر بھلا کس طرح یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں سے پیکٹ کا چور کون ہے؟"

"بھئی، ان میں سے بچوں اور عورتوں کو تو کر دینا الگ — اس

سلسلے میں تم فاطمہ منی سے مدد لے سکو گے۔ باقی رہ گئے مرد حضرات، وہ ہوں گے ہی کتنے، بس ان میں سے ایک مجرم ہے۔" انہوں نے کہا۔

"عجیب ترین بات ہے۔ اول تو کسی کو اس طرح تحفہ بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور پھر کسی کو وہ چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بھی اس صفائی سے کہ اس کا کوئی سراغ تک نہیں مل سکا۔ اور ہو کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"کہیں کیسا تو نہیں؟" فرزانہ نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔ فاروق نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا، پھر بولا:

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تحفے کو اصل حالت میں نہ رہنے دیا گیا ہو؟"

انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر بریک لگائے — وہ بوکھلا اٹھے۔

اُف خدا

"خیر تو ہے ابا جان، آپ اس طرح اچانک کیوں رکے۔" فرزانہ
نے بوکھلا کر کہا۔

"فاروق، تمہارا خیال بہت شاندار ہے۔ افسوس وہاں ہوتے ہوئے
یہ بات ہم میں سے کسی کے ذہن میں کیوں نہ آئی۔ اب ہمیں پھر
واپس جانا ہوگا۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیپ واپس موڑلی اور ایک با[ر]
پھر وہ شاہد سلیم کے ہاں چلے جا رہے تھے۔ جب وہ وہاں پہنچے ت[و]
شاہد سلیم سامان وغیرہ اٹھوا رہے تھے۔ تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے

"خیریت تو ہے جناب!" انہیں واپس آتے دیکھ کر وہ حیران رہ
گئے۔

"ہم ذرا ایک نظر اور کوٹھی کو دیکھیں گے، کیونکہ ابھی ابھی ہمیں
ایک خیال آیا ہے، اور امید ہے، اس مرتبہ ہم اس پیکٹ کا کچھ نہ کچھ
سراغ ضرور لگالیں گے۔" انہوں نے کہا

"شوق سے جناب، بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ویسے پیکٹ

کا معاملہ ہے عجیب و غریب۔" شاہد سلیم نے کہا۔

"جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔"

اس مرتبہ انہوں نے صرف سبز کاغذ اور سنہری ربن کی تلاش
شروع کی اور آخر کوڑے کے ایک ڈرم میں سے انہیں سبز کاغذ اور
سنہری ربن مل گئے۔ یہ پھلوں کے چھلکوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔

"دھت تیرے کی۔ یہ تو فاروق بیٹھے بٹھائے ہم سے آگے نکل
گیا۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"ابھی کیا ہے۔ آگے آگے دیکھنا، ہوتا ہے کیا۔ تم دونوں کے
کان نہ کاٹوں تو میرا نام فاروق نہیں۔"

"ارے باپ رے، پھر تو ہمیں اپنے کانوں پر فولادی خول چڑھا
لینے چاہییں۔"

کاغذ اور ربن اٹھا کر وہ شاہد سلیم کے پاس آئے۔ وہ ان ہی
کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ربن اور کاغذ کو انہوں نے حیرت بھری نظروں
سے دیکھا۔

"لیجیے جناب، یہ ہے وہ کاغذ اور ربن، جو اس تحفے پر لپٹا ہوا
تھا۔ یہ کوڑے کے ڈرم میں سے ملا ہے۔ پھلوں کے چھلکوں کے نیچے
دبا ہوا تھا۔"

"اوہ، لیکن یہ بات تو پھر راز ہی رہ گئی کہ اس میں تھا کیا؟"

"ہاں، لیکن کب تک راز رہے گی۔ اب اس راز کو حل ہونا ہی

پڑے گا کیونکہ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پیکٹ کسی نے غائب ضرور کیا ہے اور اس طرح کہ اس کے اندر کی چیز اس نے اپنی جیب یا جیبوں میں رکھ لی اور کاغذ اور ربن ڈرم میں پھینک دیے۔ ویسے کہیں آپ تو اس پیکٹ کے بارے میں کچھ نہیں چھپا رہے۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے باپ رے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بھلا میرا پیکٹ سے کیا تعلق ؟" انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" انہوں نے پراسرار انداز میں کہا اور جیب کی طرف چل پڑے۔

واپسی پر ان کے ذہن اب اور بھی الجھے ہوئے تھے۔

⊙

انسپکٹر جمشید کا چپراسی بافضل اندر داخل ہوتے ہوئے بولا :

"ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں جناب، یہ ان کا کارڈ ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کارڈ ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے کارڈ پر نظر ڈالی، لکھا تھا، سیٹھ جانے والا۔

"بھیج دو اندر۔" انہوں نے کہا۔ نام ان کے لیے نیا تھا۔ جلد ہی ایک پتلا دبلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی اندر داخل ہوتے ہوئے بولا :

"السلام علیکم۔"

"تشریف رکھیے جناب۔" انہوں نے وعلیکم السلام کے بعد کہا۔ سیٹھ جانے والا بیٹھ گیا، پھر بولا :

"آج کا اخبار پڑھ کر رات کے حالات معلوم ہوئے۔ اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"جی کیسے حالات ؟" وہ چونک اٹھے۔

"رات شاہد سلیم کے ہاں جو کچھ ہوا، اس کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ کیا آپ نے ابھی تک اخبار نہیں دیکھا۔"

"میں صبح کے وقت صرف سرسری نظر سے اخبار دیکھتا ہوں۔ دفتر سے فارغ ہو کر گھر میں تفصیل سے دیکھتا ہوں۔ دفتر میں اخبار پڑھنا میں بددیانتی سمجھتا ہوں۔ دفاتر میں صرف دفاتر کا کام ہونا چاہیے — نہ کہ اخبارات پڑھ کر ملک سے بے ایمانی کی جائے۔"

"بہت خوب، آپ کے خیالات جان کر بہت خوشی ہوئی ؛ بہرحال، میں وہ خبر پڑھ کر ہی یہاں آیا ہوں۔ واقعہ پڑھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی تھی — دراصل میرے گھر میں بھی ایک دعوت دی گئی تھی۔ اس دعوت میں میرے سبھی دوست شامل ہوئے تھے — میرے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ عین وقت پر ایک شخص دروازے پر آیا اور ایک تحفہ دے کر چلا گیا۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ یہ تحفہ دروازے کے باہر پڑا ہوا تھا۔ میں وہ پیکٹ لے کر اندر گیا۔ مہمانوں سے اس کے

بارے میں پوچھا، لیکن کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ پیکٹ اس سے گرا
ہے۔ آخر میں نے سمجھے سوچے بغیر پیکٹ دوسرے پیکٹوں میں رکھ لیا۔
بعد میں جب میرے بیٹے نے پیکٹ کھول کھول کر اپنے تحائف کا
جائزہ لینا شروع کیا تو وہ پیکٹ غائب تھا۔ اس بات کا پتا اس طرح
لگا کہ میں نے اس پیکٹ کو بغور دیکھا تھا۔ اس پر سبز رنگ کا کاغذ
لپٹا ہوا تھا اور سنہری ربن سے باندھا گیا تھا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ ان کی
آنکھیں پھیل گئیں۔

"ہم نے اس پیکٹ کو اچھی طرح تلاش کیا، لیکن وہ ہمیں کہیں
بھی نہ ملا۔ پھر ہم اس کے بارے میں سوچتے ہی رہ گئے۔ آخر یہی
بات ذہن میں آئی کہ کسی اور ہی مہمان نے پیکٹ پار کر دیا ہوگا، لیکن
رات والا واقعہ اخبار میں پڑھ کر ہمیں ایک بار پھر وہ پیکٹ بری طرح
یاد آگیا۔ ذہن میں چبھنے لگا۔ یہ چبھن اس قدر بڑھی کہ مجھے یہاں
آنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔" یہاں تک کہہ کر سیٹھ جالے والا خاموش ہوگیا۔
انسپکٹر جمشید کی حیرت کا کیا پوچھنا۔ انہوں نے کہا،

"آپ نے بہت اچھا کیا۔ میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔
اور اس معاملے میں کھوج لگانے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔ آپ
کے آنے کی وجہ سے تفتیش میں آسانی ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہے کیونکہ
یہ اندازہ صاف طور پر لگایا جا سکتا ہے کہ رات جو کچھ ہوا، اتفاق سے

نہیں، بلکہ سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق ہوا۔ گویا کوئی شخص پروگرام
کے مطابق پیکٹ ایسی کسی تقریب میں بھیج دیتا ہے اور وہاں سے کوئی
غائب کر دیتا ہے، لیکن کیوں۔ ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے آخر؟"
انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"یہ سوچنا اور جاننے کی کوشش کرنا آپ کا کام ہے۔ میرا تو
جو فرض تھا، ادا کر چکا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے سیٹھ جالے والا
سے ہاتھ ملایا اور وہ رخصت ہو گیا۔

ان کے جانے کے بعد وہ بڑبڑائے۔

"یہ معاملہ تو پراسرار سے پراسرار تر ہوتا جا رہا ہے۔"

ابھی سیٹھ جالے والا کو گئے آدھ گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ بابا
فضل ایک بار پھر کمرے میں داخل ہوا اور ان پر ایک نظر ڈالتے
ہوئے بولا۔

"ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام شوکت
محمود بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے، انہیں بھی بھیج دیجیے۔" وہ بولے۔ فوراً ہی
ایک بھاری بھرکم آدمی اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم جناب۔ مجھے شوکت محمود کہتے ہیں۔"

"وعلیکم السلام۔ تشریف رکھیے۔" انہوں نے بڑے اخلاق بھرے لہجے میں کہا۔

اور وہ دھپ سے ایک کرسی میں سما گیا۔

"میں دراصل اخبار میں وہ خبر پڑھ کر آیا ہوں۔"

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید چونک کر سیدھے ہو گئے اور بغور شوکت محمود کی طرف دیکھنے لگے، پھر ان کے منہ سے نکلا:

"تو آپ کے ہاں بھی کوئی تقریب ہوئی تھی اور اس تقریب میں کسی شخص نے آپ کو کوئی پیکٹ یہ کہہ کر دیا تھا کہ وہ باہر پڑا ملا ہے۔"

"جی، جی ہاں، بالکل یہی بات ہے۔"

"اُف خدایا۔" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ انداز میں بولے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

عجیب اور دلچسپ

سکول سے فارغ ہونے کے بعد محمود اور فاروق نے فرزانہ کے سکول کی راہ لی۔ وہاں سے فرزانہ اور فاطمہ منی کو ساتھ لیا اور شاہد سلیم کے گھر پہنچے اور پھر چاروں فاطمہ کے کمرے میں بیٹھ گئے۔

"میں بہت حیران ہوں۔ آپ لوگوں کا پروگرام کیا ہے؟" فاطمہ نے بہت دیر تک صبر کرنے کے بعد کہا۔

"پروگرام بہت سادہ اور دلنشیں ہے۔ آپ کو ذرا بھی زحمت نہیں ہو گی۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" فاطمہ چونکی۔

"مطلب بتانے کا کام ہم نے محمود کو سونپ رکھا ہے۔ چلو محمود، بتاؤ مطلب۔"

"فاطمہ بہن، یہ فہرست ہمیں آپ کے ابا جان نے دی ہے۔ آپ اس فہرست میں سے بچوں اور عورتوں کے نام الگ کر دیں۔ اس کے بعد جو مرد فہرست میں بچ جائیں گے، ہم ان کے بارے میں آپ سے کچھ

معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر آپ سے معلومات
حاصل نہ ہو سکیں تو پھر آپ کے ابا جان سے پوچھیں گے۔ فی الحال تو
آپ بچوں اور عورتوں کو الگ الگ کر دیں۔"

"لیکن یہ سب کس لیے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے آپ یہ پوچھ رہی ہیں۔ کیا کل والا معاملہ بھول گئیں۔"
فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں، بھولی بالکل نہیں، لیکن اب آپ لوگ اس سلسلے میں
کس لیے پریشان ہو رہے ہیں۔"

"ہم یہ جاننے کے لیے بے چین ہیں کہ آخر ایسا کیوں کیا گیا۔
اس حرکت سے کسی کو کیا فائدہ پہنچا۔"

"اچھی بات ہے۔ لائیے، میں الگ کیے دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر
اس نے فہرست کا رخ اپنی طرف کر لیا اور قلم سے اس پر نشان
لگاتی چلی گئی۔ اس کام میں اس نے صرف تین منٹ لگائے، پھر کاغذ
ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"یہ لیجیے، بغیر نشان والے سب نام مردوں کے ہیں۔ لیکن آپ
لوگ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ پیکٹ غائب کرنے والا کوئی مرد ہی ہو سکتا
ہے، کیا وہ کوئی عورت یا بچہ نہیں ہو سکتا۔"

"اگر ہم مردوں میں اس شخص کو تلاش نہ کر سکے تو پھر عورتوں
کی باری بھی آئے گی۔ ویسے زیادہ امکان اس بات کا ہی ہے کہ

پیکٹ کو غائب کرنے والا کوئی مرد ہی ہے۔" محمود نے کہا اور تینوں
نے فہرست پر نظریں دوڑانا شروع کر دیں۔ یہ کل انتیس نام تھے۔ ان
میں سب سے اوپر الطاف قاسم کا نام نظر آیا۔

"کیا آپ ان سب حضرات کو اچھی طرح جانتی ہیں۔" محمود نے
پوچھا۔

"میں ان میں سے صرف چند لوگوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔
ہاں، عورتوں اور بچوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"آپ جن سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کے بارے میں غور
کر کے بتائیں، ان میں سے کون تحفہ چور ہو سکتا ہے۔"

"کوئی بھی نہیں۔" فاطمہ مسکرائی۔

"ایسے نہیں ــ ایک ایک نام پر غور کر کے اور ان کی عادات اور
اطوار کو ذہن میں لا کر جواب دیں۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فاطمہ نے کہا اور خوب غور کرتے ہوئے ایک
ایک نام پڑھ کے آگے بڑھنے لگی ــ یہاں تک کہ اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"نہیں جناب، ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"آپ کو پکا یقین ہے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بہت اچھی طرح یقین ہے۔" اس نے کہا۔

"اور اگر میں یہ کہوں کہ کہیں وہ شخص الطاف قاسم ہی تو نہیں
ہیں، جنھوں نے پیکٹ غائب کیا ہے، تو تم کیا کہو گی۔" فرزانہ بول پڑی۔

"میں تو یہ توبہ پکار اٹھوں گی۔ وہ تو میرے ابو کے بہت اچھے دوست ہیں، سب سے پرانے دوست، ان کا تو ہمارے ہاں روز کا آنا جانا ہے۔" فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن فاطمہ، مجھے ایک بات بار بار یاد آ رہی ہے اور اب میں اس کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"کیا بات یاد آ رہی ہے۔ تم بے دھڑک کہو۔" فاطمہ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ جب تم کیک کاٹنے کے لیے میز کی طرف بڑھی تھیں اور باقی سب لوگ بھی تمہارے ساتھ میز کے گرد جمع ہو گئے تھے تو اس وقت تمہارے ابو نے یہ الفاظ کہے تھے۔ بھئی الطاف، تم تحائف کی میز کے پاس کیوں رک گئے۔ آگے آ جاؤ نا۔۔۔ اور جواب میں الطاف قاسم صاحب نے کہا تھا کہ میں بوڑھا جوان آدمیوں کے درمیان کیا اچھا لگوں گا۔ سوال یہ ہے کہ کہیں وہ جان بوجھ کر تو تحائف والی میز کے پاس نہیں ٹھہرے تھے۔"

"اوہ، یہ بات تو ہم بھی پہلی بار سن رہے ہیں۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں، میں نے جان بوجھ کر اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ پہلے میں ان لوگوں کا خیال جان لینا چاہتی تھی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہمارا خیال تو یہ بات سن کر بھی وہی ہے، انکل الطاف ای

نہیں کر سکتے تھے۔ بھلا انہیں ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ تو میرے لیے عام دنوں میں تحائف لے آتے ہیں۔ تقریب والے دن کی تو بات ہی کیا ہے۔۔۔ پھر بھلا وہ تحفہ کیوں غائب کرنے لگے۔" فاطمہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں، خیر دیکھا جائے گا، تو ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس پر تم شک کر سکو۔"

"نہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

مایوس ہو کر وہ شاہد سلیم کے پاس آئے۔

"ہم آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان مردوں میں سے آپ کس کے بارے میں یہ خیال کر سکتے ہیں کہ پیکٹ اس نے اڑایا ہوگا۔"

"کسی کے بارے میں بھی نہیں۔" انہوں نے فہرست دیکھے بغیر کہا۔

"آپ نے تو فہرست دیکھے بغیر جواب دے دیا۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ میں سب لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان میں سے کسی کو بھی پیکٹ چرانے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"آپ کا الطاف قاسم صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب فرزانہ کیا تم الطاف پر شبہ کر رہی ہو، وہ میرے

بہت گہرے اور بچپن کے دوست ہیں۔"

"آپ کو یاد ہو گا، صرف وہ تحائف کی میز پر کھڑے رہ گئے تھے۔" فرزانہ نے ان کی بات سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

"ہاں، یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے اور رہ رہ کر پریشان کر رہی ہے۔"

"گویا آپ کو بھی یہ خیال بار بار آ رہا ہے کہ کہیں الطاف قاسم صاحب نے ہی تو پیکٹ غائب نہیں کیا تھا۔"

"نہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" انھوں نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر آپ کو یہ بات رہ رہ کر پریشان کیوں کر رہی ہے۔" محمود نے پرزور لہجے میں کہا۔

"صرف اس لیے کہ میں نے تحائف کی میز کے پاس ان کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں دیکھا۔"

"اچھا جناب شکریہ۔ اب ہم خود ہی اس معاملے کو دیکھ لیں گے آپ سے تو کسی مدد کے ملنے کی امید نہیں۔" یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ان سے رخصت ہو کر باہر نکلے۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"ہم الطاف قاسم کو ٹٹولیں گے۔ اس کے بعد ان انتیس مردوں میں سے بھی چند ایک سے ملاقات کریں گے۔ جب تک گھر پہنچنے

کا وقت نہیں ہو جاتا، یہ کام کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد گھر جا کر ابا جان کو اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کریں گے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

فہرست میں پتے بھی درج تھے۔ آخر وہ اپنی موٹر سائیکلوں پر الطاف قاسم کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ پھر جوں ہی وہ ان کے دروازے پر پہنچے، ٹھٹک کر رہ گئے۔ اندر سے جاوید اشرف باہر کی طرف آ رہا تھا۔

انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شہر میں کوئی شخص اس قسم کی وارداتیں کرتا پھر رہا ہے، لیکن ایک شخص کیوں۔ کم از کم اس کھیل میں دو آدمی تو ضرور شریک تھے۔ ایک تحفہ بھیجنے والا، دوسرا تحفہ غائب کرنے والا۔ اس وقت تک شہر میں ایسے کم از کم تین واقعات تو ہو ہی چکے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کوئی ہوا تھا تو اس کے بارے میں وہ ابھی لاعلم تھے۔

"خیر تو ہے جناب، آپ پریشان ہو گئے۔" شوکت محمود کئی سیکنڈ تک ان کے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"ہاں، یہ عجیب ترین معاملہ ہے۔ ایسا صرف شاہد سلیم اور آپ کے

ہاں ہی نہیں — ایک اور شخص سیٹھ جانے والا کے ہاں بھی ہو چکا ہے۔"

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا: "یہ کیا چکر ہے جناب؟"

"ابھی تک خاک بھی پتے نہیں پڑ سکا۔ ویسے اگر آپ مجھے اپنے مہمانوں کی فہرست دے دیں تو بہت مہربانی ہو گی۔ شاید اس طرح میں کچھ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہتر، میں فہرست آج ہی آپ کو بھیج دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" اس کے ساتھ ہی شوکت محمود اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید نے اکرام سے کہا:

"سن رہے ہو اکرام، معاملہ حد درجے عجیب اور دلچسپ ہو چلا ہے۔ ذرا سیٹھ جانے والا کے نمبر تو دیکھنا ڈائریکٹری میں — میں ان سے بھی ان کے مہمانوں کی فہرست لینا چاہتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور ڈائریکٹری میں نمبر تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی وہ نمبر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا اور پھر انسپکٹر جمشید کو سیٹھ جانے والا کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو سیٹھ صاحب، میں انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ تکلیف د

کی معافی چاہتا ہوں — ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ شہر میں بالکل اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہو چکا ہے، جیسا آپ کے اور شاہد سلیم کے ساتھ ہوا ہے۔ تفتیش کے لیے مجھے آپ کے مہمانوں کی فہرست درکار ہے — کیا آپ مہیا کر سکتے ہیں؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں — یہ کیا مشکل ہے۔ میں ایک گھنٹے تک بھجوا دیتا ہوں، لیکن میرے مہمانوں میں سے تحفہ کسی نے نہیں چرایا تھا۔ اس بات کا مجھے یقین ہے۔" وہ بولا۔

"تو پھر آپ کے خیال میں کس نے چرایا ہو گا؟" وہ مسکرائے۔

"شاید کسی ملازم نے یا کسی پیشہ ور چور نے جو کسی طرح اندر گھس آیا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"خیر آپ فکر نہ کریں۔ میں ان واقعات کا سراغ ضرور لگاؤں گا۔ آپ فہرست مجھے بھیج دیں۔"

"اس طرح میرے دوستوں کو کوئی پریشانی تو نہیں ہو گی؟" اس نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں، پریشانی اگر ہو سکتی ہے تو تحفے کے چور کو، اور میرا خیال ہے، کسی چور سے آپ کو کوئی ہمدردی نہیں ہو گی؟"

"اوہ نہیں، بالکل نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی اکرام، اس طرح ہمارے پاس تینوں تقریبات کے مہمانوں

کے نام موجود ہوں گے۔ اب اگر تینوں تقریبات کا کوئی مشترکہ مہمان نکل آیا تو مزا آ جائے گا۔ یعنی جس نے تینوں تقریبات میں شرکت کی ہوگی، وہی تحفے کا چور ہوگا۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" اکرام نے فوراً کہا۔

دفتر کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہی انہیں دونوں فہرستیں مل گئیں۔ تیسری فہرست محمود کے پاس تھی، لہٰذا انہوں نے سوچا، اب یہ کام گھر چل کر ہی کیا جائے گا؛ چنانچہ انہوں نے دونوں فہرستیں جیب میں رکھ لیں۔ اسی وقت آئی جی صاحب کا چپراسی اندر داخل ہوا:

"صاحب یاد فرما رہے ہیں سر۔"

"اچھی بات ہے۔" گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہوں نے محسوس کیا، کمرے کی فضا پریشان پریشان سی ہے۔ وہاں آئی جی صاحب کے علاوہ ڈی آئی جی صاحب اور دوسرے آفیسر بھی موجود تھے۔ انسپکٹر جیلانی وغیرہ بھی نظر آئے۔

"السلام علیکم سر۔" انہوں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"آؤ جمشید، بس تمہارا ہی انتظار تھا۔ ابھی ابھی صدر صاحب کا فون موصول ہوا تھا۔ اس فون کے سلسلے میں آپ سب کو یہاں بلایا

گیا ہے۔" آئی جی بولے۔ اس دوران انسپکٹر جمشید بھی ایک کرسی سنبھال چکے تھے۔

"صدر مملکت نے فون پر بتایا ہے کہ ہمارے ملک میں ایک طوفان آنے والا ہے۔"

"جی، طوفان — کیا مطلب؟" ملی جلی آوازیں ابھریں۔

فاروق کا کام

جاوید اشرف انہیں دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر مسکرانے لگا، لیکن جواب
میں وہ نہ مسکرا سکے۔ وہ تو اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہے تھے
آخر وہ گیٹ تک پہنچ گیا۔

"خیر تو ہے، آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟"

"یہ کون ہیں محمود؟" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"جاوید اشرف صاحب۔ نیشنل پارک میں ہمیں تحفے کا پیکٹ انہوں
نے ہی دیا تھا۔"

"اوہ۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"آپ نے بتایا نہیں۔ آپ لوگ مجھے گھور کیوں رہے ہیں؟"

"اس لیے کہ آپ الطاف قاسم صاحب کے گھر سے نکل رہے
ہیں۔" محمود نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر، کیا الطاف قاسم صاحب کے گھر سے نکلنا جرم ہے"

"کیا آپ کو معلوم ہے، الطاف قاسم، شاہد سلیم صاحب کے

دوست ہیں اور آپ نے پیکٹ انہی کے گھر بھجوایا تھا۔"

"اوہ، مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ الطاف قاسم، شاہد سلیم
کے دوست ہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"خیر، آپ کا الطاف صاحب سے کیا تعلق ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"میں ان کا ایک ادنیٰ ماتحت ہوں۔ یہ ہمارے دفتر کے انچارج
ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اوہ، تو الطاف قاسم کسی سرکاری محکمے کے ملازم ہیں؟"

"جی ہاں، میں اسی محکمے میں کلرک ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن پارک میں تو آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ محنت مزدوری
کرتے ہیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"وہ کہانی تو صرف پیکٹ کی حد تک تھی۔"

"لیکن آپ نے وہ پیکٹ شاہد سلیم تک اس لیے پہنچانا قبول
کیا تھا کہ آپ کو پیسوں کی ضرورت تھی، تو کیا اس ملازمت سے
آپ کی گزر بسر آسانی سے نہیں ہوتی؟"

"جی نہیں، آج کل تنخواہ میں گزارا کہاں ہوتا ہے۔ بس وہی لوگ
گزارا کرتے ہیں، جو رشوت لیتے ہیں۔"

"آپ کا خیال بالکل غلط ہے۔ جو لوگ حلال کی روزی کماتے
ہیں، ان کے گزارے رشوت لینے والوں کی نسبت آسانی سے ہوتے ہیں
اور انہیں ایک عجیب قسم کے اطمینان کی دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔"

— کیا آپ رشوت لیتے ہیں ؟

"ن ن، نہیں" وہ ہکلایا۔

"آپ کی ہکلاہٹ چغلی کھا رہی ہے کہ جب آپ کو موقع ملتا ہے۔ آپ بھی نہیں چوکتے اور اب تو میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ پیکٹ آپ نے داخلے کی رقم کے لیے نہیں، پیسوں کے لالچ میں آکر شاہد سلیم کے ہاں پہنچانے کا ذمہ لیا تھا۔ کیوں یہی بات ہے نا؟" محمود نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک حد تک آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ میں تھوڑی بہت رشوت ضرور لیتا ہوں، لیکن اس سے نفرت کرتا ہوں اور یہ خواہش کرتا رہتا ہوں کہ کسی طرح رشوت لینا چھوٹ جائے۔ ان دنوں میں واقعی بہت تنگدست ہوں اور داخلے کا مسئلہ مجھے پریشان کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس آدمی کی پیش کش قبول کرنا پڑی۔"

"آپ کو چاہیے تھا، کسی سے ادھار مانگ لیتے اور کچھ نہیں تو الطاف قاسم صاحب سے ہی ادھار مانگ لیتے۔"

"مانگے تھے جناب، آج کل کوئی ادھار بھی تو نہیں دیتا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"ہوں خیر، اس وقت آپ یہاں کس طرح آئے تھے؟"

"دفتر سے ڈاک ان کے ہاں پہنچانا اور صبح لے کر جانا میری ڈیوٹی ہے۔"

"کیوں، یہ خود ساتھ نہیں لا سکتے۔ آخر انہیں دفتر کی طرف سے جیپ ملی ہوئی ہوگی۔" فاروق نے کہا۔

"جی ہاں، کار ملی ہوئی ہے، لیکن ڈاک یہ میرے ذریعے ہی منگاتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"خیر، اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ ہم بھی ذرا الطاف صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ وہ ہیں تو اندر ہی نا؟" محمود نے کہا اور وہ ہاں میں سر ہلانے کے بعد ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"مجھے تو یہ شخص اوّل نمبر کا جھوٹا معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ نے منہ کھولا۔

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔ خیر دیکھا جائے گا۔" محمود نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

"اور یہ بات ہمیں ابھی معلوم ہوئی کہ یہ الطاف صاحب کسی دفتر میں انچارج ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اگر پہلے معلوم ہو جاتی، تو بھی تم کیا کر لیتیں۔" فاروق نے منہ بنایا اور فرزانہ اسے گھور کر رہ گئی۔

اسی وقت ایک ملازم آتا دکھائی دیا — اس کے سر پر اونی ٹوپی تھی؛ حالانکہ موسم گرمیوں کا تھا۔

"جی فرمائیے۔" اس نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہمیں الطاف قاسم صاحب سے ملنا ہے۔" محمود بولا۔

"جی وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔" اس نے کہا اور وہ حیران رہ گئے،
ابھی ابھی تو جاوید اشرف اندر سے نکلا تھا اور انہیں اس کی زبانی معلوم
ہوا تھا کہ الطاف قاسم اندر ہی موجود ہیں۔
"کیا کہتے ہو بھئی، الطاف صاحب اندر موجود نہیں ہیں۔"
"ہاں، نہیں ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔
"لیکن ہمیں تو اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر موجود ہیں۔ ہمیں ان
سے ضروری کام ہے۔ فوراً جا کر انہیں بتایئے کہ ہم آئے ہیں۔"
"میں نے کہا نا، وہ گھر پر نہیں ہیں۔" اس نے کہا، دروازہ
زور دار آواز کے ساتھ بند کیا اور واپس مڑ گیا۔ وہ ایک دوسرے
کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔
"بھئی، یہ کیا بات ہے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔
"یہ مت بھولو کہ الطاف قاسم ایک سرکاری محکمہ کے آفیسر ہیں۔
انہیں بے شمار لوگ تنگ کرنے آجاتے ہوں گے، یا پھر رشوت وغیرہ کا
چکر ہو گا۔ ان تک وہی لوگ پہنچ پاتے ہوں گے جو ملازم کی جیب
گرم کر دیتے ہوں گے۔" محمود نے کہا۔
"جیب نہیں، ٹوپی ـــ فاروق بول اٹھا۔
"ٹوپی، کیا مطلب۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔
"ٹوپی کا مطلب ٹوپی ہی ہوتا ہے۔ ہیٹ ہرگز نہیں ہو سکتا
آخر، گرمی میں بھی رومی ٹوپی کیوں استعمال کرتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے، اس کے سر پر بال نہ ہوں یا پھنسی پھوڑوں کی
بیماری ہو اسے۔" محمود بولا۔
"پھر اب کیا کریں۔ ہم ان کے محکمے کے ملازم تو ہیں نہیں کہ
رشوت دے کر اندر جائیں۔"
"میں ایک بار پھر گھنٹی بجاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں، ہمیں اندر کیسے نہیں
بلایا جاتا۔" یہ کہہ کر محمود نے جھلائے ہوئے انداز میں بٹن پر انگلی رکھ
دی اور پھر رکھے ہی رہا۔
"اس طرح تو سارے گھر کے افراد بوکھلا جائیں گے۔" فرزانہ مسکرائی۔
"تو بوکھلانے دو۔" محمود بولا۔
جلد ہی ملازم دوڑتا ہوا دروازے کی طرف آتا نظر آیا۔ اس کا چہرہ
غصے سے سرخ تھا۔ ٹوپی کا پھندنا کبھی کندھے پر آرہا تھا تو کبھی پیچھے
جا رہا تھا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" اس نے نزدیک آنے پر تیز آواز میں
کہا۔
"اب ہمیں کیا معلوم کہ یہاں گھنٹی کی آواز کو بدتمیزی کہتے ہیں۔"
فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔
"میں کہتا ہوں، بٹن پر سے انگلی ہٹا لو۔" ملازم ـــ [illegible]
ہو کر کہا۔
"جب تک الطاف قاسم صاحب ہم سے ملاقات کرنا منظور نہیں کریں گے،

اس وقت تک انگلی نہیں ہٹے گی۔" محمود غرایا۔

ملازم نے اسے گھور کر دیکھا، پھر الٹے پاؤں اندر کی طرف دوڑا۔ اس مرتبہ وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی۔ لاٹھی کو اس نے ایک سرے سے پکڑ کر سر سے اوپر اٹھا رکھا تھا۔ بائیں ہاتھ سے دروازہ کھولتے ہوئے اس نے لاٹھی کو دونوں ہاتھوں میں تولا اور ان پر حملہ آور ہوا۔ وہ پہلے ہی ہوشیار ہو چکے تھے۔ ملازم کا نشانہ محمود کا سر تھا۔ جوں ہی لاٹھی حرکت میں آئی، وہ ایک دم دیوار سے لگ گیا۔ لاٹھی زمین پر لگی، فوراً ہی فاروق نے اپنا پاؤں لاٹھی پر دے مارا اور وہ اس کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ فاروق نے اسے اٹھانے میں دیر نہ لگائی اور پھر جو اس نے لاٹھی گھمائی تو وہ اس کی رومی ٹوپی پر لگی۔ رومی ٹوپی ہوا میں اڑتے ہوئے دور جا گری اور بے شمار چھوٹے نوٹ ادھر ادھر بکھر گئے۔ انہوں نے دیکھا، وہ مکمل طور پر گنجا تھا۔ ملازم بوکھلا گیا۔ اس دوران محمود کی انگلی بدستور بٹن پر جمی رہی تھی۔ اچانک انہوں نے کئی آدمیوں کے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو الطاف قاسم دو نوجوان لڑکوں اور ایک عورت کے ساتھ بدحواسی کے عالم میں چلے آ رہے تھے۔ الطاف قاسم نے گرج دار آواز میں کہا۔

"یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے۔ میں تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

ابھی تک انہوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ وہ جملہ کن لوگوں سے

کہہ رہے ہیں۔ گیٹ پر پہنچ کر جب انہوں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ارے، آپ لوگ۔"

"اوہو، آپ تو گھر میں تشریف فرما نہیں تھے۔ اتنی جلدی کہاں سے تشریف آوری ہو گئی آپ کی۔" محمود نے طنز بھری آواز میں کہا۔ اس دوران الطاف قاسم اور دوسرے افراد زمین پر بکھرے نوٹ دیکھ چکے تھے۔ ملازم بھیگی بلی بنا کھڑا تھا۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہے؟"

"ابھی بتاتے ہیں، نوٹ سمیٹ کر اندر آ جاؤ بھئی، لوگوں کو تماشا دکھانے سے کیا فائدہ؟" محمود نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

اور واقعی بہت سے راہگیر اور اڑوس پڑوس کے لوگ ان سب کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ملازم بدحواسی کے عالم میں نوٹ سمیٹنے لگا، پھر وہ اندر آ گیا۔

"کیا معاملہ ہے بھئی، آپ کو اس طرح مسلسل گھنٹی بجانے کی کیا ضرورت تھی۔" الطاف قاسم کا لہجہ حد درجے ناخوشگوار تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہم نے گھنٹی بجائی تھی۔ آپ کا ملازم آیا تو ہم نے اس سے کہا کہ ہمیں آپ سے ملنا ہے، لیکن اس نے جواب دیا کہ آپ گھر میں نہیں ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط تھا۔ کیونکہ ایک منٹ پہلے ہی ہم جاوید اشرف کو یہاں سے جاتے دیکھ

چکے تھے اور اس نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ اندر موجود ہیں۔ ملازم نے ہماری ایک بات نہ سُنی اور گیٹ بند کرکے چلا گیا۔ اب ہم کیا کر سکتے تھے۔ مسلسل گھنٹی بجانا پڑی — یہ حضرت ایک لاٹھی اٹھا لائے اور اس سے ہم پر حملہ کر دیا — وہ تو خیر ہوئی — میں تیزی سے دیوار کے ساتھ لگ گیا، ورنہ اس وقت میرے سر سے خون بہہ رہا ہوتا۔ آپ ہی بتایئے اس میں قصور آپ کے ملازم کا ہے یا ہمارا" محمود یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگیا۔

"آپ لوگ جاوید اشرف کو کس طرح جانتے ہیں؟" اس کا لہجہ ابھی تک جھلایا ہوا تھا۔ ملازم پر اس نے ذرا بھی غصہ نہ جھاڑا۔

"اوہ، آپ بھول گئے، کل شاہد سلیم صاحب کے گھر میں تحفے کا جو ہنگامہ ہوا، وہ جاوید اشرف کی وجہ سے ہی تو ہوا تھا، اسی جاوید اشرف نے ہمیں پارک میں وہ تحفہ دیا تھا۔"

"اوہ، تو وہ یہ جاوید اشرف تھا" الطاف قاسم بھونچکے رہ گئے۔

"جی ہاں، ہم بھی اسے یہاں سے نکلتے دیکھ کر بہت حیران ہوئے تھے، لیکن جب اس نے یہ بتایا کہ وہ آپ کا ایک ماتحت ہے اور آپ ایک سرکاری دفتر میں انچارج ہیں تو ہماری حیرت دور ہوگئی۔"

"خیر آیئے، اندر بیٹھ کر بات کریں — جمعہ خان تم بھی آؤ" الطاف قاسم نے کہا۔

وہ سب ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔

"ہاں، اب فرمایئے — آپ کیسے آئے تھے؟"

"یہ تو ہم بعد میں بتائیں گے جناب، پہلے تو ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ملازم جمعہ خان نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ یہ اپنی روئی ٹوپی کے اندر کرنسی نوٹ کیوں رکھتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا، یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے — نہ ہی میں نے اس سے یہ کہہ رکھا ہے کہ ملاقاتیوں سے یہ کہہ دیا کرے کہ میں گھر میں نہیں ہوں" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو پھر ہم سے سُنیئے، یہ آپ کے ملاقاتیوں سے رشوت وصول کرتا ہے — لوگ اس کی مٹھی گرم کرکے ہی آپ تک پہنچ پاتے ہیں اور ایسے لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو آپ سے کسی سفارش یا ناجائز کام کے لیے آتے ہیں — آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں سفارش کے معاملے میں بہت سخت ہوں۔ کسی کی سفارش نہ خود قبول کرتا ہوں اور نہ کسی کی کسی سے سفارش کرتا ہوں — رہا جمعہ خان کا معاملہ تو میں اسے اسی وقت ملازمت سے برطرف کرتا ہوں جمعہ خان، تم نے سن لیا؟"

"ٹھیک ہے جناب، مجھے بھی ایسی ملازمت کی ضرورت [illegible] تنخواہ مجھے دفتر سے کل ملے گی یا تنخواہ والے دن"

"تنخواہ والے دن" انھوں نے جھنجھلا کر کہا۔

"کیا یہ تنخواہ دفتر سے لیتا ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ بات نہیں، تنخواہ والے دن مجھے تنخواہ ملتی ہے تو اسی دن میں اسے تنخواہ دیا کرتا ہوں۔" انہوں نے جلدی سے کہا اور وہ سمجھ گئے کہ جمعہ خان کو تنخواہ دفتر سے دلوائی جاتی ہے۔

"اوہ اچھا، ہم سمجھ گئے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"جمعہ خان، تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو۔ جاؤ آج سے تمہیں فارغ کیا جاتا ہے۔" انہوں نے پھر غصیلی آواز میں کہا۔

"جا رہا ہوں جناب، اب تنخواہ والے دن دفتر میں حاضر ہو جاؤں گا۔" اس نے کہا اور پاؤں پٹختا کمرے سے نکل گیا۔

"محمود، بہت دیر ہو گئی۔ ابا جان ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ کیوں نہ تم ان سے بات کر لو، میں ان تک پہنچ جاؤں۔" فاروق نے بوکھلاہٹ کے انداز میں گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔ یہ دیر جمعہ خان کی مہربانی سے ہوئی۔"

"تو میں چلا۔" فاروق نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"ہاں جناب، ہم دراصل کل والے واقعے پر بات کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔" محمود نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"اس واقعے سے میرا کیا تعلق؟" انہوں نے منہ بنایا۔

"شاید آپ ہم سے ناراض ہیں۔"

"بھلا میں کیوں ناراض ہونے لگا۔ کیسے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے زبردستی کی مسکراہٹ منہ پر چپکاتے ہوئے کہا۔

"آپ کے خیال میں پیکٹ کس نے اڑایا ہو گا؟"

"خدا جانے، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"سنا ہے، آپ شاہد سلیم صاحب کے بچپن کے دوست ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"سالگرہ کی تقریب کے وقت صرف آپ کو تحائف کی میز کے پاس دیکھا گیا تھا اور شاہد سلیم نے آپ سے یہ الفاظ کہے تھے، بھئی آپ تحائف کی میز کے پاس کیوں رک گئے۔ آگے آ جائیں نا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ تحائف کی میز کے پاس کیوں رک گئے تھے۔" محمود نے چبھتی آواز میں کہا۔

"اوہ، تو آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔"

"ہاں جناب، اس میں کوئی شک نہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا اور محمود دل ہی دل میں فرزانہ کے جملے پر مسکرا دیا۔

"ضرور کرتے رہیں شک، لیکن میرا تحفے کی چوری سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اچھا جناب، اب ہم چلیں گے۔ معاف کیجیے گا۔ ہماری وجہ سے آپ کو بہت پریشانی اٹھانا پڑی۔" محمود نے کہا اور دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر نکل کر انہوں نے چاروں طرف دیکھا، لیکن فاروق کہیں بھی نظر نہ آیا۔

۵

فاروق کمرے سے باہر نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تو جمعہ خان اسے دائیں طرف جاتا نظر آیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور جان گیا کہ اس کا رخ گیٹ کے دائیں طرف بنے سرونٹ کوارٹر کی طرف ہے۔ گیٹ کے نزدیک پہنچتے پہنچتے اس نے جمعہ خان کو اندر داخل ہوتے دیکھ لیا۔ فوراً ہی اس نے اپنا رخ موڑا اور کوارٹر کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ کھڑکی کے نزدیک پہنچ کر اس نے اندر جھانکا اور حیران رہ گیا۔ جمعہ خان مزے سے بستر پر بیٹھا مسکرا رہا تھا: حالانکہ اسے تو اپنا سامان باندھنا چاہیے تھا۔ اس نے اپنا چہرہ کھڑکی کے پاس سے ہٹا لیا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اسے محمود اور فرزانہ کا انتظار تھا۔ وہ تو اس خیال سے باہر نکل آیا تھا کہ جمعہ خان کا تعاقب کرے گا، لیکن جمعہ خان کا تو کہیں جانے کا ارادہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اچانک اس نے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ آواز ایسی تھی جیسے کوئی بندر بوتا ہے۔ اس نے جمعہ خان کے اٹھنے کی آواز سنی۔ جلدی سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کوارٹر کے پچھلی طرف کھسک گیا۔ اس طرف بھی ایک کھڑکی تھی۔ اس نے سر ذرا اوپر کر کے دیکھا، جمعہ خان اٹھ کر باہر جا رہا تھا۔ فاروق کا دل نہ جانے کیوں دھک دھک کرنے لگا۔

کوارٹر کی دیوار کے موڑ پر آ کر اس نے دیکھا، جمعہ خان گیٹ کھول رہا تھا اور پھر ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ لمبے قد کا تھا، آنکھیں سبز تھیں۔ اس نے دونوں کو کوارٹر کی طرف آتے دیکھا، پھر وہ اندر داخل ہوئے اور فاروق کھڑکی کے عین نیچے آ گیا۔ اس نے ان کی کھسر پھسر کی آوازیں سنیں۔ الفاظ پلے نہیں پڑ سکے۔ ایک منٹ بعد ہی دوسرا آدمی کوارٹر سے نکلتا نظر آیا۔ فاروق کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس کے گیٹ سے نکلنے کے بعد خود بھی تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ جمعہ خان کا کہیں جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی — جاوید اشرف کا الطاف قاسم کی کوٹھی سے نکلنا ہی کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا کہ اس کے بعد جمعہ خان سے معرکہ پیش آ گیا۔ پھر جمعہ خان کو ملازمت سے نکل جانے کا حکم ہوا، لیکن وہ اپنے کوارٹر میں آ کر مزے سے بیٹھ گیا اور اب اس سے کوئی ملنے آیا تھا، انھوں نے کچھ کھسر پھسر کی تھی — یہ سب باتیں فاروق کی سمجھ سے باہر تھیں۔ اب وہ اس شخص کے تعاقب میں چلا جا رہا تھا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا اور اس کی چال ڈھال سے غنڈہ پن جھلکتا تھا۔

یہ تعاقب تقریباً پندرہ منٹ تک جاری رہا۔ فاروق بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ آخر اس نے اس غنڈہ نما آدمی کو ایک ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا — اس نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ، ہوٹل میں گھس گیا۔ غنڈہ کسی طرف دیکھے بغیر سیدھا بڑھتا چلا گیا اور پھر ایک

کمرے میں دستک دیے بغیر داخل ہو گیا۔ فاروق نے دیکھا، اس کمرے کے دروازے پر مینیجر کی تختی لگی ہوئی تھی۔ بیرے ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے، اس لیے وہ کمرے کے دروازے سے کان لگا کر اندر ہونے والی بات چیت نہیں سن سکتا تھا، لہٰذا دل پر جبر کر کے ہال کی ایک میز پر آ بیٹھا۔ ابھی اسے بیٹھے چند سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ بیرا آ دھمکا۔

"جی فرمائیے۔"

"ایک سیون اپ۔" اس نے کہا اور بیرا برا سا منہ بنا کر چلا گیا۔

اس کے لیے سیون اپ آ گئی۔ ابھی اس کی چسکیاں لے رہا تھا کہ وہی آدمی مینیجر کے کمرے سے باہر نکلتا نظر آیا، پھر اس کا رخ لفٹ کی طرف ہو گیا۔ فاروق نے فوراً ہی سیون اپ کی قیمت میز پر رکھی اور لفٹ کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا وہ آدمی تیسری منزل کا بٹن دبا رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اندر داخل ہو گیا اور لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد لفٹ نیچے آ گئی اور وہ اس میں داخل ہو کر تیسری منزل پر اترا۔ اس کے سامنے ایک طویل برآمدہ تھا۔ وہ برآمدے کے آخر تک چلتا چلا گیا، لیکن بھلا ایسے اسے یہ بات کس طرح معلوم ہو سکتی تھی کہ وہ غنڈہ نما آدمی کون سے کمرے میں داخل ہوا ہے۔ وہ آخر تک جا کر پھر پلٹ آیا اور آہستہ آہستہ لفٹ

کی طرف چل پڑا۔ سب کمروں کے دروازے بند تھے۔ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ آخر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ معاملہ اس کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا؛ تاہم دلچسپی اور الجھن میں حد درجے اضافہ ہو چکا تھا۔

تم جادوگر ہو

"ہاں، طوفان" آئی جی صاحب نے کہا اور خاموش ہو گئے۔
جب کئی سیکنڈ گزرنے کے بعد انہوں نے اور کچھ نہ کہا تو ڈی آئی
جی صاحب پریشان ہو کر بولے:
"کیا آپ کچھ وضاحت نہیں کریں گے"
"وضاحت، وضاحت کیا کروں۔۔ وضاحت تو صدرِ مملکت نے
بھی نہیں کی۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ صدرِ مملکت کو ان کے کسی
مہربان نے گمنام فون کیا ہے۔۔ اس فون میں اس نے بتایا ہے کہ ملک
میں ایک طوفان آنے والا ہے، اسے روک سکتے ہیں تو روک لیں۔
بس اس سے زیادہ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔۔ صدر صاحب کا کہنا
ہے، ان کا یہ پُراسرار ہمدرد ہمیشہ کسی پبلک فون بوتھ سے انہیں
فون کرتا ہے اور چند جملے کہنے کے بعد ہی اس پبلک فون بوتھ سے
چل دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی شخصیت چھپانا چاہتا ہے، نہ جانے کیوں،
تاہم صدر صاحب کا کہنا ہے کہ اب تک جو اطلاعات بھی دیں، وہ سو

فیصد درست نکلیں اور یہ کہ اس نے ہمیشہ ملک اور قوم کو پیش آنے
والے کسی نہ کسی خطرے کی خبر دی ہے۔ اسی لیے انہوں نے اس
کا نام گمنام ہمدرد رکھ دیا ہے"
"گمنام ہمدرد" کئی آوازیں ابھریں۔
"جی ہاں، لیکن اس بار اس کا پیغام بالکل بھی واضح نہیں
ہے۔۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ ملک میں ایک طوفان آنے
والا ہے کہ اچانک ریسیور رکھ دیا گیا۔۔ وہ طوفان کس قسم کا ہوگا،
ملک کو کیا خطرہ درپیش ہے۔۔ یہ بات کچھ پلے نہیں پڑی۔۔ اسی
لیے صدرِ مملکت نے مجھے فون کیا اور اب یہ معاملہ میں آپ سب
لوگوں کے سامنے رکھ رہا ہوں۔۔ میری تجویز یہ ہے کہ خوب غور کیا
جائے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ وہ طوفان کیا ہو
سکتا ہے اور پھر اسے روکنے کے انتظامات کیے جائیں"
"حد درجے پُراسرار معاملہ" ایک آفیسر بڑبڑائے۔
"جی ہاں رائے صاحب، اس میں کوئی شک نہیں کہ معاملہ حد
درجے پُراسرار ہے" آئی جی صاحب بولے۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سچ مچ کا طوفان آنے والا ہو،
بارش کا طوفان، آندھی یا اولوں کا طوفان" انسپکٹر جیلانی نے خیال
ظاہر کیا۔
"معاف کیجیے گا جیلانی صاحب، صدر صاحب کے ہمدرد کا کہنا

موسمیات سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ صرف موسمیاتی طوفانوں کی خبر دیا کرتے، جب کہ انہوں نے کچھ سنگین قسم کے حالات کی خبر دی ہو گی عام طور پر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ کئی لوگ مسکرا کر رہ گئے۔۔۔ آئی جی صاحب فوراً بولے:

"ہاں، بالکل یہی بات ہے۔۔۔ یہ موسمیاتی طوفان کی طرف ہرگز اشارہ نہیں ہے۔"

"تب پھر یہ طوفان کیسا ہو گا؟" ایک آفیسر حیران ہو کر بولے۔

"یہی سوچنا تو ہمارا کام ہے۔" انہوں نے بے بسی سے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں سر۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ضرور بھئی، یہی تو میں چاہتا ہوں کہ آپ سب اپنی اپنی رائے پیش کریں۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، دشمن ملک ہم پر اچانک حملہ کرنے والا ہو۔ یہ بھی ایک قسم کا طوفان ہی ہو گا۔۔۔ ہو سکتا ہے، ہمارا ملک کسی سازش کی لپیٹ میں آنے والا ہو، یہ بھی ایک خوف ناک طوفان ہو گا، اور یہ طوفان کوئی وبائی طوفان بھی ہو سکتا ہے۔"

"وبائی طوفان کیا مطلب؟" کئی آفیسر حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"بعض وبائیں بھی تو طوفان کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، مثلاً طاعون کی وبا، چیچک کی وبا۔۔۔ کسی عجیب و غریب اور مصنوعی بیماری کی

کی وبا۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اور جمشید، تم ایک طوفان کا ذکر بھول گئے۔" ڈی آئی جی صاحب نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"جی، آپ کا اشارہ منشیات کے طوفان کی طرف تو نہیں۔" انہوں نے فوراً کہا۔

ابھی ڈی آئی جی صاحب کوئی جواب نہیں دے پائے تھے کہ فون کی گھنٹی نے ان سب کو چونکا دیا۔ آئی جی صاحب نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سے کی جانے والی بات سننے لگے۔ ان کی آنکھیں خوف اور دہشت سے پھیل گئیں۔۔۔ پھر انہوں نے فون کا ریسیور رکھ دیا اور نظریں انسپکٹر جمشید پر گاڑ دیں۔ وہ بوکھلا گئے۔ دوسرے بھی پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے، پھر آئی جی صاحب کے لب ہلے:

"جمشید، تم۔۔۔ تم جادوگر ہو۔"

(۰)

"لو بھئی، یہ حضرت تو غائب ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"غائب نہ ہوتا تو کیا کرتا۔۔۔ آخر اسے عبد خان کا تعاقب کرنا

تھا اور تعاقب وہ ایک جگہ کھڑے رہ کر نہیں کر سکتا تھا۔" محمود نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"ارے تو جلے بھنے کیوں جا رہے ہو۔ میں نے تمہیں کاٹ تو نہیں کھایا۔" فرزانہ نے جھنا کر کہا۔

"میں تم پر نہیں، الطاف قاسم پر تاؤ کھا رہا ہوں۔ یہ شخص میری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"ایک وہی کیا، میری سمجھ میں تو جاوید اشرف بھی نہیں آیا۔" فرزانہ منمنائی۔

"تو سالگرہ کے تحفے والا معاملہ بھی کب ہماری سمجھ میں آیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہم کہیں شاعری کے موڈ میں تو نہیں۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

اب وہ کوٹھی سے باہر نکل آئے تھے اور موٹر سائیکلوں کے پاس کھڑے تھے۔ دوسری موٹر سائیکل فاروق نہیں لے گیا تھا۔ فرزانہ کو موٹر سائیکل چلانا نہیں آتی تھی اور نہ انسپکٹر جمشید نے اسے اجازت دی تھی، لہٰذا انہیں یہیں رک کر فاروق کا انتظار کرنا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے اس کی صورت دکھائی دی۔

"بھئی، کیا مصیبت ہے، جہاں جاتے ہو، وہیں رہ جاتے ہو۔ یہ بھی تو سوچ لیا کرو کہ کوئی تمہارے انتظار میں سوکھ رہا ہوگا۔"

"نہیں تو، اچھے بھلے تو تروتازہ نظر آ رہے ہو، بلکہ چہرے تو سرخ ہو رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو رہے ہیں۔"

"اچھا اچھا، اس غصے کی وجہ سے جو حرام ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"زیادہ باتیں نہ بگھارو۔ یہ بتاؤ، کیا تیر مار کر آئے ہو؟"

"کوئی خاص نہیں! تاہم بڑے کو اس کے گھر تک پہنچا کر آیا ہوں۔ وہ ہوٹل گلنار کی تیسری منزل کے کسی کمرے میں رہتا ہے، لیکن اوپر جانے سے پہلے وہ ہوٹل کے مینیجر سے بھی ملا تھا۔"

"کہاں کی ہانک رہے ہو، کس کی بات کر رہے ہو۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"اوہ ہاں، میں نے پوری بات تو بتائی ہی نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے پوری بات بتا دی۔

"تو جمعہ خان اپنے کوارٹر میں موجود ہے اور الطاف قاسم کا اسے ملازمت سے نکالنا ایک دکھاوا تھا۔ دوسرے یہ کہ جمعہ خان کا کردار بھی پراسرار ہے۔ اس سے کوئی غنڈہ صورت آدمی ملنے آیا تھا۔ یہاں سے ہوٹل گلنار گیا۔ پہلے مینیجر سے ملا، پھر تیسری منزل کے کسی کمرے میں چلا گیا۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، بالکل یہی بات ہے۔"

"تب تو ان حالات کی خبر ہمیں فوری طور پر ابا جان کو دے دینی چاہیے۔ آؤ انہیں فون کرتے ہیں۔"

وہ ایک پبلک فون بوتھ پر پہنچے — محمود نے دفتر کے نمبر ڈائل کیے — دوسری طرف سے اکرام کی آواز سنائی دی:

"ہیلو انکل، ریسیور ذرا ابا جان کو دے دیں۔"

"افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے کہا۔

"جی، وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ اس وقت آئی جی صاحب کے کمرے میں ہیں اور وہاں ایک بہت اہم میٹنگ ہو رہی ہے۔"

"اچھی بات ہے — جوں ہی وہ فارغ ہوں، ان سے کہہ دیجیے گا کہ ہمیں فون کر لیں اور ہاں، ایک کام ہمیں آپ سے بھی ہے۔"

"ضرور کہو، کیا کام ہے؟" اکرام بولا۔

"ہوٹل گلنار کی تیسری منزل کے کسی کمرے میں ایک غنڈہ صورت آدمی رہتا ہے۔ وہ ایک لمبے قد کا آدمی ہے — ٹھہریے، میں فاروق سے اس کا حلیہ پوچھ کر بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود نے فاروق کی طرف دیکھا جو بوتھ سے باہر کھڑا تھا — دروازہ انہوں نے کھلا رکھا تھا۔

"اس کے منہ پر باریک مونچھیں اور سر کے بال سرخ سے ہیں، اس سے زیادہ تو فاروق بھی نہیں دیکھ سکا۔" یہ حلیہ محمود نے دہرانے

کے بعد کہا۔

"ہم چاہتے ہیں، اس شخص کی پوری احتیاط سے نگرانی کی جائے۔"

"اچھی بات ہے — ایک بار اس کے نظر آجانے کی دیر ہے، نگرانی شروع ہو جائے گی — حوالدار محمد حسین آزاد کو ابھی بھیج رہا ہوں، اور کچھ۔"

"جی ہاں، ایک کام اور — الطاف قاسم ایک سرکاری آفیسر ہے، برٹ ڈے روڈ پر ایک سو پندرہ نمبر اس کی کوٹھی ہے — اس کا ملازم جمعہ خان ہے۔ ہم ان دونوں کی نگرانی بھی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی جائیں، ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"اچھی بات ہے، دو آدمی ادھر بھی روانہ کرتا ہوں۔"

"شکریہ انکل، آپ بہت اچھے انکل ہیں — ہم نے آپ جیسے انکل کبھی دیکھے بھی نہیں۔" محمود نے ہنستے ہوئے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"یہ اتنی بہت سی تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تمہارے یہ الفاظ انکل خان رحمان یا پروفیسر انکل نے سن لیے تو وہ کیا خیال کریں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"دھت تیرے کی — اب کیا تم انکلوں کا مقابلہ کراؤ گے — آؤ چلیں۔"

"چلو، ویسے اب تمہارا ان حالات اور معاملات کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فاروق بولا۔

"یہ کہ جاوید اشرف، الطاف قاسم اور جمعہ خان مل کر کوئی چکر چلا رہے ہیں۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"اگر جاوید اشرف اس چکر میں شامل ہے تو پھر اسے پیکٹ ہمیں دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح تو انہوں نے ہمیں بلا وجہ اس معاملے میں الجھا لیا۔ اگر وہ پیکٹ کسی اور کے ذریعے بھیج دیتا، یا خود ہی پہنچا دیتا تو ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ ابا جان وہاں فون نہ کرتے۔ کسی قسم کا بھی ہنگامہ نہ ہوتا اور پیکٹ اس شخص تک پہنچ جاتا، جس تک کہ اسے پہنچانا تھا۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"یہ بات واقعی حیران کن ہے اور میں تو اس بات پر بھی حیران ہوں کہ اس پیکٹ میں تھا کیا؟" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

"کم از کم اس میں چوں چوں کا مربہ نہیں تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"اس قیمتی اطلاع کے لیے شکریہ۔ ابا جان کے دفتر میں بھی میٹنگ آج ہی ہونا تھی۔" محمود نے کہا۔

"اوہو، تو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی میٹنگ ختم ہو جائے گی اور وہ آ جائیں گے گھر۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"ہم ایک بات تو بھول ہی گئے اور وہ کافی اہم بات ہے۔" محمود زور سے چونکا۔

"خیر، اہم باتیں ہم بھول بھی کیسے سکتے ہیں۔ ان بے چاریوں سے

تو ہمیں واسطہ ہی نہیں پڑتا۔" فاروق بولا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر کہا اور ران پر ہاتھ مارنا چاہا، لیکن ہاتھ چونکہ موٹر سائیکل کے ہینڈل پر تھا، اس لیے عمل نہ کر سکا۔

"لاؤ، میں تمہاری ران پر ہاتھ مارے دیتی ہوں۔" فرزانہ جو اس کے پیچھے بیٹھی تھی، بول اٹھی۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ بھی اوپر اٹھایا۔

"کیا کر رہی ہو، ہم اس وقت شارع عام پر ہیں۔ گھر میں نہیں۔"

"اوہ اچھا، گھر جا کر سہی۔" وہ بولی۔

"خیر تو ہے۔ آج تو فاروق سے بھی دو ہاتھ آگے جا رہی ہو۔" محمود مسکرایا۔

"اس میں کیا شک ہے۔ ہماری موٹر سائیکل اس وقت اس سے دو ہاتھ آگے ہی ہے۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"مجھے غصہ دلانے کی کوشش نہ کرو، ورنہ میں تم سے سو ہاتھ آگے نکل جاؤں گا۔" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"نکل جاؤ، میری بلا سے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"بھئی، اس میں جلنے اور بھننے کی کیا بات ہے۔" محمود ہنسا۔

"جلتی ہے اس کی جوتی۔" فاروق فوراً بولا۔ محمود بے ساختہ ہنس دیا۔

"حیرت ہے، آج تو تم بھی فاروق کا ساتھ دے رہے ہو" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں ذرا اس وقت شگفتہ موڈ میں ہوں" اس نے کہا۔

اسی وقت وہ گھر کے سامنے پہنچ گئے — محمود نے گھنٹی بجائی فوراً ہی بیگم جمشید نے دروازہ کھول دیا۔

"امی جان، ابا جان نے فون تو نہیں کیا؟"

"ابھی تک تو نہیں کیا — کیوں خیر تو ہے؟"

"جی ہاں، ہے تو خیر ہی — آپ فکر نہ کریں"

وہ صحن میں بچھی میز تک پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"لیجیے، ابا جان کا فون آگیا" محمود چہکا اور لپک کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"ہیلو، محمود بول رہا ہوں" اس نے کہا، لیکن پھر اس کا چہرہ ستِ گیا، کیونکہ دوسری طرف سے اس کے والد نہیں، کوئی اور بول رہا تھا — ایک تیز اور کرخت آواز اس کے کانوں میں آنے لگی —

دھچکا

"جی، کیا فرمایا — میں اور جادوگر، لیکن سر، ہمارے مذہب میں تو جادو حرام ہے" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے — میں نے دراصل "تذکرۃً" کہا تھا — تم نے ادھر سنسنیات کے طوفانوں کا نام لیا اور ادھر اس چیز کی تصدیق ہوگئی"

"جی کیا مطلب؟ آخر فون کس کا تھا؟"

"صدرِ مملکت کا — ان کے ہمدرد نے دوبارا فون کیا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ ہمدرد نے فون درمیان میں اس لیے روک دیا تھا کہ بوتھ کے باہر ایک خطرناک آدمی دکھائی دیا تھا — اس نے پہلے اس سے بچنے کی کوشش کی — اس کے بعد پھر ایک محفوظ جگہ پہنچ کر فون کیا اور اس کا مطلب ہے، یہ پُراسرار ہمدرد جو کوئی بھی ہے، خود جرائم پیشہ لوگوں میں گھرا ہوا ہے — جب بھی اسے موقع ملتا ہے، وہ صدر صاحب کو فون کر دیتا ہے" آئی جی صاحب نے بتایا۔

"لیکن اس نے ایسے فون کرنے کے لیے صدر صاحب کو ہی کیوں

چنا۔ وہ اس کام کے لیے آپ کو یا کسی اور ذمے دار آفیسر کو منتخب کر سکتا تھا" ایک آفیسر نے حیرت بھرے انداز میں کہا۔

"اس کی وجہ تو وہی بتا سکتا ہے، لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے" انھوں نے کہا۔

"خیر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس وقت انہیں اس ہمدرد کی طرف سے کیا پیغام ملا ہے"

"انھوں نے کہا ہے کہ شہر میں نشہ آور دواؤں کا طوفان آنے والا ہے۔ منشیات کو پھیلانے والے تمام گروہ چند روز پہلے ہی پوری طرح حرکت میں آ چکے ہیں اور یہ اس لیے کہ بیرونی ممالک سے ناجائز طور پر نشہ آور دواؤں کی بہت بڑی کھیپ ملک کے اندر پہنچ چکی ہے۔ اگر اس کھیپ کا سراغ نہ لگایا گیا تو عوام کی ایک بہت بڑی تعداد ان دواؤں کی عادی ہو جائے گی اور اس طرح ملک اور قوم کو زبردست نقصان پہنچے گا اور .... دشمن ملک کو ہم پر کاری ضرب لگانے کا موقع ہاتھ آئے گا"

"اوہ" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"لیکن اس ہمدرد نے یہ کیوں نہ بتایا کہ دواؤں کا سٹاک کس جگہ موجود ہے" انسپکٹر جیلانی نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ ضرور بتاتا۔ اسے تو جس قدر بات معلوم ہوتی ہے، وہ صدر صاحب تک پہنچا دیتا ہے۔ شاید وہ مجرموں

کے گروہ میں کسی اہم پوزیشن کا مالک نہیں، وہ جرائم پیشہ لوگوں کے درمیان کسی مجبوری کی وجہ سے پھنسا ہوا ہے اور اس نے وہاں رہتے ہوئے ملک اور قوم کی خدمت کرنے کی ٹھان لی ہے" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"تب تو وہ کوئی بہت ہی عظیم آدمی ہے" ایک آفیسر نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔ وہ یہ اطلاعات اپنی جان پر کھیل کر دیتا ہے۔ اس بار بھی شاید اس نے خطرہ مول لیا ہے"

"بالکل یہی بات ہے جمشید، اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کس قسم کا طوفان آنے والا ہے۔ ہم سب کو میدانِ عمل میں کود پڑنا چاہیے۔ نشہ آور دواؤں کی فروخت جن جن جگہوں سے ہونے کے امکانات ہمارے علم میں ہیں۔ ہمیں ان جگہوں کی نگرانی وسیع پیمانے پر شروع کر دینی چاہیے اور تابڑ توڑ انداز میں گرفتاریاں عمل میں آنی چاہییں۔ میں کمشنر صاحب کو بھی فون کرتا ہوں۔ اب پوری مشینری کو ہی حرکت میں آنا ہو گا" انھوں نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کمشنر صاحب سے بات کرنے لگے۔ پھر انھوں نے وزیر داخلہ کو بھی فون کیا۔ ریسیور رکھ کر ان سب کی طرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی گنگنا اٹھی:

انھوں نے جلدی سے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کے منہ سے دکھ بھرے انداز میں یہ

یہ الفاظ نکلے:

"اُف خدا! نہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔"

پھر انہوں نے ریسیور پٹخا اور بولے:

"جمشید، فوراً برٹ ڈے روڈ پر پہنچو۔ اس سڑک پر ایک پبلک فون بوتھ ہے، جلدی کرو۔"

ان کا لہجہ اس قدر سہما دینے والا تھا کہ انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے اور باہر کی طرف بھاگے۔ دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ برٹ ڈے روڈ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ آئی جی صاحب ان سے تقریباً ایک منٹ بعد روانہ ہو پائے تھے۔ ان کے پیچھے اور بھی بہت سے آفیسر تھے۔ کاروں کا یہ قافلہ آخر برٹ ڈے روڈ پر پبلک فون بوتھ کے پاس رک گیا۔ انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید سڑک کے کنارے ایک بت کی مانند ساکت کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کے بعد کاریں رکتی چلی گئیں اور ان میں سے آفیسر اترتے چلے گئے۔ بوتھ کے نزدیک پہنچنے پر ان سب نے دیکھا، شیشے کی دیواروں کے اندر ایک لاش موجود تھی۔ اس کے سینے سے خون بہہ بہہ کر بوتھ کے فرش کو ڈھک چکا تھا۔ لاش دیوار کے سہارے بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کی ٹانگیں بھی پوری طرح پھیل نہیں سکی تھیں۔ فون کا ریسیور نیچے لٹک رہا تھا۔

○

"ہیلو، تو تم لوگ گھر میں ہی ہو۔ میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں کی منحوس ٹانگیں بھی ہر معاملے میں ہی الجھ جاتی ہیں۔ ان ٹانگوں کے الجھنے کا انجام اگر دیکھنا چاہتے ہو تو برٹ ڈے روڈ پر پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک دل خوش کن نظارا دیکھنے کو ملے گا۔ تمہارے والد کے محکمے کے سبھی بڑے افسر اس وقت وہاں جمع ہیں۔ میں وعدے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے اتنا پر لطف نظارا آج تک نہیں دیکھا ہوگا۔ پہنچ رہے ہو نا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ محمود ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا، پھر اس نے جلدی جلدی دفتر کے نمبر گھمانا شروع کیے۔ فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"کس کا فون تھا محمود؟ تم بتاتے کیوں نہیں اور فون کسے کر رہے ہو؟"

"ایک منٹ ٹھہرو!" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ اس کا رنگ سفید پڑتا دیکھ کر فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید کے دل بھی دہلے جا رہے تھے۔ بیگم جمشید بھی ان کے بالکل قریب کھڑی تھیں۔

"ہیلو انکل اکرام، آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے بتایا تھا کہ آئی جی صاحب دوسرے تمام آفیسرز کے ساتھ میٹنگ میں مصروف ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟"

"ہاں بالکل، میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"اور کیا اب بھی میٹنگ جاری ہے؟"

"نہیں، ابھی تھوڑی دیر پہلے تمام آفیسر اچانک برٹ ڈے روڈ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں، نہ جانے وہاں کیا ہوا ہے۔"

"اوہ، ابا جان بھی ساتھ گئے ہیں؟"

"ہاں، سب سے پہلے تو انہی کو جاتے دیکھا گیا ہے۔"

"شکریہ انکل۔" یہ کہہ کر محمود نے ریسیور رکھ دیا۔

"خدا کا شکر ہے، جو میں سمجھا تھا، وہ بات نہیں نکلی؛ تاہم برٹ ڈے روڈ پر ضرور کوئی المناک واقعہ ہو چکا ہے۔ آؤ ہم بھی چلیں۔"

اور تینوں موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر برٹ ڈے روڈ کی طرف روانہ ہو گئے، پھر برٹ ڈے روڈ پر کاروں کی لمبی قطار دیکھ کر وہ رک گئے اور ایک مناسب سی جگہ انہیں کھڑا کر کے آگے بڑھے۔ سب کے سب آفیسرز ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب جمع تھے اور بوتھ چھپ کر رہ گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کے ہٹنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر اس بھیڑ میں سے ان کے والد نکلے اور انہیں دیکھ کر چونک اٹھے۔

"اوہو، تو تم بھی پہنچ گئے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں، تھوڑی دیر پہلے یہیں سے گھر گئے تھے کہ پھر آ گئے۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"کیا مطلب، یہیں سے گئے تھے۔ یہاں کیا کرتے پھر رہے تھے تم؟"

"الطاف قاسم جو شاہد سلیم کے گہرے دوست ہیں اور جنہیں کل کی تقریب میں تحائف والی میز کے قریب دیکھا گیا تھا، اسی سڑک پر رہتے ہیں۔ ہم ان سے ملاقات کرنے آئے تھے۔"

"اوہو اچھا۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہاں کیا ہوا ہے ابا جان؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ایک الم ناک حادثہ۔ ملک کے ایک پراسرار ہمدرد کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

"پراسرار ہمدرد، کیا مطلب۔ یہ۔ یہ تو۔ یہ تو کسی نن، ناول" فاروق کہتے کہتے رک گیا۔ ایک لاش کے قریب اسے یہ کہنا کچھ اچھا نہ لگا کہ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔

انسپکٹر جمشید نے مختصر الفاظ میں اس پراسرار ہمدرد کے بارے میں بتا دیا جو صدرِ مملکت کو فون کیا کرتا تھا۔ یہ سن کر وہ بے تاب ہو گئے۔

"تو یہ ہمدرد آدمی تھا کون؟"

"خود ہی دیکھ لو۔ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ میں تو ابا جان [illegible] کو فون کرنے جیپ تک جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے لیکن وہ مقتول کو کس طرح دیکھ لیتے۔ بوتھ کے گرد تو تمام آفیسر موجود تھے۔ انہیں ہٹا کر آگے بڑھنا بے ادبی کی بات تھی؛ چنانچہ وہ بے قراری

کے عالم میں انتظار کرنے لگے۔ آخر خدا خدا کر کے آفیسرز کا معائنہ ختم ہوا اور وہ آگے بڑھے۔ آئی جی صاحب اور ڈی آئی جی صاحب انہیں دیکھ کر مسکرا دیے۔

"تو تم لوگ بھی پہنچ گئے"

"جی، جی ہاں"

ان کی نظریں مقتول پر جم گئیں، آنکھوں میں حیرت اور افسوس کے ملے جلے آثار نظر آنے لگے۔ بوتھ کے اندر پھنسی ہوئی لاش جاوید اشرف کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

اقرار

میز پر تین فہرستیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ چاروں ان پر جھکے فہرستوں میں درج تمام ناموں کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ یہ وہی فہرستیں تھیں جو انہیں شاہد سلیم، سیٹھ جالے والا اور شوکت محمود سے ملی تھیں اور پھر یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ تینوں فہرستوں میں الطاف قاسم کا نام موجود تھا۔ ہر طرف الطاف قاسم ہی الطاف قاسم کارفرما نظر آ رہا تھا۔

"اور ابا جان، فاروق بھی آپ کو الطاف قاسم کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے" محمود کو جمعہ خان اور ہوٹل گلنار کا خیال آیا۔

"وہ کیا؟" انہوں نے جلدی سے پوچھا۔

فاروق نے انہیں پوری تفصیل سنا دی۔ غنڈہ صورت آدمی کا حلیہ بھی بتایا، جو یہ تھا: لمبا قد، سرخی مائل بال۔

"اور۔۔۔ اور ابھی تک اکرام کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں ملی" انہوں نے حیران ہو کر کہا، پھر اکرام کے نمبر گھمائے۔ جلد ہی اس

کی آواز سنائی دی :

"ہیلو اکرام' جمشید بول رہا ہوں — جن تین آدمیوں کی نگرانی کے لیے کہا گیا تھا' ان کے بارے میں کوئی رپورٹ موصول ہوئی یا نہیں ؟"

"جی ہاں' جاوید اشرف میرے آدمی کو گھر پر نہیں ملا۔ الطاف قاسم کے ملازم جمعہ خان کی نگرانی ہو رہی ہے' لیکن وہ گھر سے نہیں نکلا۔ ہوٹل گلنار کی تیسری منزل کے کسی کمرے سے ابھی تک اس حلیے کا غنڈہ نما آدمی نکلتا نہیں دیکھا گیا جو بتایا گیا تھا — نگرانی بدستور جاری ہے۔"

"ہوں' جاوید اشرف کے گھر پر جس آدمی کو مقرر کیا تھا' اسے واپس بلا لو۔ اب اس کی نگرانی کی ضرورت نہیں رہی — کیونکہ وہ ہر دنیاوی نگرانی سے آزاد ہو چکا ہے۔"

"جی کیا مطلب ؟" اکرام زور سے چونکا۔

"برٹ ڈے روڈ کے فون بوتھ سے اس کی لاش ملی ہے۔"

"اوہ۔" اس نے کہا۔

"ہوٹل گلنار کے منیجر پر بھی نظر رکھی جائے اور وہ غنڈہ صورت آدمی تو اس کا تعاقب کیا جائے — مجھے پل پل کی خبر دی جائے۔ جمعہ خان کی بھی سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔" اکرام نے کہا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مجرم الطاف قاسم ہی نظر آتا ہے' لیکن یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکی کہ یہ سب چکر کیا ہے۔ اگر یہ چکر منشیات کا چکر ہے' تب تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو پیکٹ بھیجے گئے' ان میں کوئی نشہ آور دوا تھی' تو کیا تینوں پیکٹ الطاف قاسم نے اڑائے — کیونکہ وہ تینوں تقریبات میں موجود تھا' لیکن یہ کس قدر حیرت انگیز بات تھی کہ جاوید اشرف' الطاف قاسم کے محکمے کا ہی ایک ادنیٰ ملازم تھا — اس سے تو وہ براہ راست بھی پیکٹ وصول کر سکتا تھا — دوسری حیران کن بات یہ کہ جاوید اشرف جیسا ایک معمولی آدمی صدر صاحب کو کس طرح فون کرنے لگ گیا۔ اوہو ٹھہرو' ہم ایک بات تو بھول ہی گئے۔" یہ کہہ کر انہوں نے کسی کے نمبر ڈائل کیے اور بولے :

"میں جمشید بول رہا ہوں — یہ الطاف قاسم کون سے محکمے کے ملازم ہیں۔"

"جی' وزارت خارجہ کے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان کی طرف مڑے :

"اب بات کسی قدر واضح ہو جاتی ہے۔ جاوید اشرف' الطاف قاسم کا ایک ماتحت تھا۔ ڈاک دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر لے جانا بھی اس کے ذمے تھا — محکمہ وزارت خارجہ سے اکثر صدر مملکت اور وزیر خارجہ

کو بھی بات کرنا پڑتی ہے ۔ اور اس محکمے کو صدر صاحب اور وزیر خارجہ سے ؛ چنانچہ وہاں فون نمبر درج ہوں گے اور جاوید اشرف نے صدر مملکت کے فون نمبر نوٹ کر رکھے ہوں گے ۔ اسے جب بھی ملک دشمن عناصر کی کسی کارروائی کی خبر ملتی ہوگی، وہ اپنی شخصیت کو چھپاتے ہوئے فون کر دیتا ہوگا اور کارروائیوں کی خبر اسے الطاف قاسم کے کمرے کے آس پاس رہ کر سن گن لینے سے ملتی ہوگی —
اب سوال یہ ہے کہ الطاف قاسم جیسا بڑا افسر کس قسم کی مجرمانہ سرگرمیوں میں الجھا ہوا ہے ۔ اس کے لیے ہمیں صدر صاحب سے بھی بات کرنا ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے اس نے کن مواقع پر صدر صاحب کو فون کیے تھے ۔ یہ بات ہمیں معلوم نہیں " یہ کہہ کر انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے ۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا :

" ہیلو سر، میں آپ کا خادم انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں "

" سناؤ جمشید، کیا حال ہے ۔ ہمارے پراسرار ہمدرد کے قتل کے سلسلے میں کیا کر رہے ہو " انہوں نے افسردہ انداز میں کہا ۔

" اس گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوں سر ۔ آپ کو فون پر زحمت بھی اسی سلسلے میں دی ہے ۔ سر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس سے پہلے جاوید اشرف مرحوم نے آپ کو کس قسم کی معلومات مہیا کی تھیں؟"

" ایک مرتبہ کچھ سرکاری راز چرائے جانے کی اطلاع دی تھی ۔ ایک بار شہر میں ایک مصنوعی بیماری کے پھیلانے کا خطرہ ظاہر کیا تھا اور تیسری

بار آج ہی اس کا فون دو بار موصول ہوا، لیکن اس مرتبہ شاید اس گروہ کو اس پر شک ہو گیا تھا "

" جی ہاں، بالکل یہی بات ہے ۔ آپ فکر نہ کریں، میں بہت جلد ان کے قاتل کو گرفتار کر لوں گا "

" میری خواہش بھی یہی ہے " یہ کہہ کر صدر صاحب نے ریسیور رکھ دیا ۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے یہ مجرموں کا کوئی باقاعدہ گروہ ہے ۔ جو ہمارے ملک کی جڑیں کاٹنے پر مامور ہے ۔ اس کا کام یہی ہے ۔ کہ جب بھی اور جہاں بھی موقع ملے، ملک اور قوم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہو اور یہ گروہ ضرور ہمارے دشمن ملک کے اشاروں پر ناچ رہا ہے ۔ مجھے اس پر سو فی صد یقین ہو چلا ہے " یہ کہہ کر انہوں نے پھر کسی کے نمبر ڈائل کیے ۔ دوسری طرف کی آواز سنتے ہی انہوں نے کہا :

" ہیلو سیٹھ جالے والا صاحب، کیا آپ اس آدمی کا حلیہ بتا سکتے ہیں جو باہر پڑا ہوا تحفہ اٹھا کر آپ تک لایا تھا؟"

" جی ہاں، کیوں نہیں ۔ وہ سیاہ رنگ کا ایک بوڑھا سا آدمی تھا ۔ جسم بھاری بھرکم تھا ۔ اس سے زیادہ تو میں بتا نہیں سکوں گا "

" یہی بہت ہے جناب، بہت بہت شکریہ " انہوں نے کہا اور پھر شوکت محمود کے نمبر ڈائل کیے ۔ ان سے بھی یہی سوال پوچھا ۔

"وہ درمیانے قد کا ایک پتلا دبلا آدمی تھا، رنگ سانولا تھا، آنکھیں نیلی۔"

"شکریہ جناب۔" انہوں نے ریسیور رکھ کر ان کی طرف دیکھا اور بولے:

"وہ بھی، شاہد سلیم کے ہاں پیکٹ جاوید اشرف نے پہنچایا تھا۔ اسے پیکٹ ایک سرخ و سفید رنگ کے ایک لمبے قد والے آدمی سے ملا تھا۔ سیٹھ جابے والا کے ہاں پیکٹ پہنچانے والا ایک بونے قد کا بھاری بھر کم آدمی تھا اور شوکت محمود کے ہاں پیکٹ لانے والا درمیانے قد کا پتلا دبلا آدمی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تینوں پیکٹ، تین مختلف آدمیوں کے ذریعے بھیجے گئے تھے، ایک ہی آدمی کے ذریعے نہیں۔"

"ٹھہرو، اب ہم اس معاملے میں دیر نہیں کر سکتے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، پھر بولے:

"میں ہوٹل گلنار کے مینجر سے ملنے جا رہا ہوں۔ کیا خیال ہے، تم بھی چل رہے ہو یا آرام کرو گے؟"

"آرام پر ڈالیے خاک۔ ایسے میں آرام کا تو خیال تک نہیں آسکتا۔" محمود بھی یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر چاروں جیپ میں بیٹھ کر ہوٹل گلنار کی طرف روانہ ہو گئے۔ پندرہ منٹ بعد وہ مینجر کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھے تھے:

"آپ کے ہوٹل کی تیسری منزل پر ایک غلط قسم کا آدمی رہتا

ہے۔ میں اسے چیک کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو حلیہ بتا سکتا ہوں۔ یہ بتانا آپ کا کام ہے کہ وہ ہوٹل کے کونسے کمرے میں رہتا ہے۔" انہوں نے تعارف کرانے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے، حلیہ بیان فرمائیے۔" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ ایک غنڈہ نما آدمی ہے، لمبا قد ہے، باریک مونچھیں۔" انہوں نے فاروق کا بتایا ہوا حلیہ دہرا دیا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، اس حلیے کا ہمارے ہاں کوئی آدمی نہیں رہتا۔" اس نے کہا۔

"آپ کا یہ سگریٹ کیس تو بہت اچھا ہے، کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔" اچانک انسپکٹر جمشید نے میز پر سے سگریٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ ضرور کیوں نہیں۔ آپ پسند کریں تو اسے لے بھی سکتے ہیں۔ میرے پاس کئی سگریٹ کیس ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ واقعی بہت خوب صورت ہے۔ آپ کا یہ تحفہ ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سگریٹ کیس انہوں نے احتیاط سے جیب میں رکھ لیا اور باہر نکلے۔ فوراً ہی محمد حسین آزاد کسی طرف سے نکل کر ان کے سامنے آ گیا اور دبی آواز میں بولا:

"کمرہ نمبر تین سو چالیس۔ وہ ابھی ابھی کہیں سے آیا ہے۔"

پہلی بار میں نے بھی اسے ابھی دیکھا ہے۔"
"ویری گڈ آزاد۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا اور لفٹ کی طرف بڑھے۔ تیسری منزل پر رک کر وہ تیزی سے کمرہ نمبر ۳۴۰ کے سامنے پہنچے اور دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور انہوں نے دیکھا، غنڈہ صورت آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا قد لمبا تھا۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ مونچھیں باریک، ناک پتلی اور چھوٹی، چہرہ بھرا بھرا۔ انہیں یاد آگیا کہ بالکل یہی حلیہ جاوید اشرف نے انہیں بتایا تھا۔

۰

"ہیلو مسٹر، ہم اندر آ سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"آپ لوگ کون ہیں اور مجھ سے کیا کام ہے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔
"ہم لوگ انسان ہیں اور ہمیں آپ سے بہت ضروری کام ہے۔" یہ کہہ کر محمود اندر گھس گیا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی فوراً اس کا ساتھ دیا۔
"اب میں بھی باہر کھڑے رہ کر کیا کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا اور اندر داخل ہو گئے۔
"یہ کسی کے کمرے میں داخل ہونے کا اچھا طریقہ ہے۔" اس نے

جھلا کر کہا اور ان کی طرف مڑا۔ اس دوران وہ کرسیوں پر بیٹھ بھی چکے تھے۔
"تو آپ ہی وہ شخص ہیں، جس نے تحفے کا پیکٹ جاوید اشرف کو دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔
"کون جاوید اشرف، کیسا پیکٹ؟" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔
"اور تم یہ جان کر اور بھی الجھن محسوس کرو گے کہ جاوید اشرف کو قتل کیا جا چکا ہے۔" وہ بولے۔
"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"
"اچھی بات ہے۔ ابھی آ جاتی ہیں۔ محمود، تم نیچے سے محمد حسین آزاد کو بلا لاؤ۔"
"میں یہیں ہوں سر، میرے لیے کیا حکم ہے؟" برآمدے سے محمد حسین کی آواز آئی۔
"بھئی، تم تو بہت عقل مند آدمی ہو۔ آ جاؤ اندر اور اکرام کو فون کرو۔ وہ اپنے چند ماہرین کو لے کر یہیں آ جائے۔"
"جی بہتر۔" اس نے کہا اور فون کی طرف بڑھا۔
"آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟"
"جو کچھ ہو رہا ہے۔ اسے تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ انجان بننے کی کتنی بھی کوشش کرو۔ اب تم بچ نہیں سکو گے۔"
"کیا مطلب؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

انہوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ محمد حسین کو فون کرتے دیکھتے رہے۔ اتنے میں اس نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا:

"اکرام صاحب آرہے ہیں جناب۔"

"کیا آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے۔" پہلی مرتبہ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہی سمجھ لو۔ ویسے ہم محکمہ سراغرسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اوہ۔" اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"تم الطاف قاسم کی کوٹھی میں کیا کرنے گئے تھے۔ ان کے ملازم جمعہ خان سے تم نے کیا آرڈر وصول کیا تھا۔"

"م، میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ لوگ مجھے کسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ مجھے اجازت دیں، میں اپنے وکیل کو بلا لوں۔"

"ضرور، ضرور۔ یہ تمہارا قانونی حق ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

اس نے جلدی سے فون کا ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر گھمایا اور بولا:

"میرے کمرے میں محکمہ سراغرسانی کے کچھ لوگ موجود ہیں۔" اتنا کہتے ہی اس نے ریسیور رکھ دیا۔ انسپکٹر جمشید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ فون تم نے کسی وکیل کو تو نہیں کیا۔" انہوں نے چبھتے ہوئے

لہجے میں کہا۔

"ہاں، اس لیے کہ مجھے اس وقت وکیل سے زیادہ اس ہوٹل کے مینجر کی ضرورت ہے۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"تو تم نے ہوٹل کے مینجر کو بلایا ہے، یہ اور بھی اچھی بات ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

ایک منٹ بعد مینجر دروازے پر نمودار ہوا اور انہیں دیکھ کر چونک اٹھا۔

"آیئے مینجر صاحب، آپ کا تو کہنا تھا کہ اس حلیے کا یہاں کوئی آدمی نہیں ہے۔ دیکھ لیجیے، ہم نے تو تلاش کر ہی لیا۔" انہوں نے ہنس کر کہا۔

"کیا معاملہ ہے سارڈی؟" مینجر نے گویا ان کی بات سنی ہی نہیں۔

"یہ لوگ مجھ سے عجیب و غریب سوالات کر رہے ہیں۔"

"اچھا، ذرا میں بھی تو سنوں، وہ کیا سوالات ہیں اور یہ لوگ ہوتے کون ہیں، میرے خاص آدمی سے سوالات کرنے والے۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"تمیز سے مسٹر، تم اس وقت انسپکٹر جمشید صاحب سے بات کر رہے ہو۔" محمد حسین آواز غرایا۔

"کیا؟" مینجر اور سارڈی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور هم

دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اچانک بھاری قدموں کی آواز سنائی دی، پھر اکرام اور اس کے کچھ ماتحت اندر داخل ہوئے۔

"کیا معاملہ ہے سر؟"

"ابھی معاملہ کیا ہوتا — میں جاوید اشرف کے قاتل کو تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں — یہ جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں نا — ان کا نام سارڈی ہے اور انہوں نے برٹ ڈے روڈ پر پبلک فون بوتھ میں جاوید اشرف کو اس وقت گولی ماری، جب وہ صدر مملکت کو فون کر رہا تھا، لہذا تم بڑے شوق سے اسے گرفتار کر لو۔" وہ اکرام سے بولے۔

"یہ، یہ کیا بکواس ہے؟" سارڈی نے چیخ کر کہا۔

"ارے بھئی، پہلے اپنے لباس کا تو جائزہ لے لو۔ آخر تم اتنی نیچی پتلون کیوں پہنتے ہو جو زمین پر گھسٹتی رہے۔ اس پتلون کے کنارے اتفاق سے اس وقت سرخ ہیں، اب یہ رنگ تو ہو نہیں سکتا، نہ پان کی پیک ہو سکتی ہے، کیونکہ تمہارے منہ سے پان کھانے کے آثار بھی گدھے کے سینگ کی طرح غائب ہیں، لہذا یہ ضرور خون ہی ہے اور میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ خون صرف اور صرف جاوید اشرف کا ہے۔ اگر یہ بات غلط ثابت ہو تو جو چور کی سزا وہ میری۔" انسپکٹر جمشید شوخ آواز میں کہتے چلے گئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیلتی چلی گئیں۔

"اب — با — جا — ن — یہ، یہ آپ بول رہے ہیں یا ہم — میری روح — آپ کے جسم میں داخل ہو گئی ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا اور وہ بے ساختہ مسکرا دیے۔ محمد حسین آزاد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

"خیال رہے اکرام، یہ پتلون کا پائینچہ کاٹ کر نہ پھینک دے۔ ہمارے پاس بس یہی ایک ثبوت ہے اس کے خلاف۔" انہوں نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

"اور اب آپ کیا کہتے ہیں مینجر صاحب۔" وہ مینجر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ قاتل ہے تو اسے ضرور ساتھ لے جائیے۔ میرا اس سے کیا واسطہ۔"

"یہ — یہ تم کہہ رہے ہو مسٹر ڈکمن۔" سارڈی نے چیخ کر کہا۔

"ہاں کیوں، کیا مجھے کچھ اور کہنا چاہیے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں اعلان کرتا ہوں۔ ہاں، جاوید اشرف کو

میں نے ہی قتل کیا ہے، لیکن مجھے ایسا کرنے کا حکم مینیجر ڈنکن نے
نے دیا تھا اور اسے یہ حکم الطاف قاسم سے ملا تھا۔
اس نے چیخ کر کہا اور وہ سب ساکت رہ گئے۔

پیکٹوں کا راز

چند لمحے کے لیے کمرے میں گہری خاموشی طاری ہوگئی۔ آن کی آن میں کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو یہاں اس شخص سے ملنے آئے تھے، جس نے جمعہ خان سے بات کی تھی اور پھر مینیجر سے آ کر ملا تھا، پھر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اس کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید کو اس کی پتلون کے پائنچے پر خون لگا نظر آ جائے گا اور وہ یک دم ہی اسے جاوید اشرف کا قاتل کہہ دیں گے۔ انہوں نے یہ اندازہ کس طرح لگایا تھا۔ یہ بات وہ ابھی تک نہیں سمجھ سکے تھے اور حد درجے حیرت کے عالم میں انہیں تکے جا رہے تھے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے مسکرا کر کہا:

"یہ اور بھی اچھی بات ہے کہ تم نے خود بخود ہی اس بات کا اعلان کر دیا، ورنہ میرا تو خیال تھا کہ جب تم پولیس کے کمرۂ امتحان میں لے جائے جاؤ گے اور وہاں کے عجیب و غریب ہتھیار دیکھو گے

تو اس وقت یہ بات قبول کرو گے کہ تمہیں اس جرم پر کس نے
آمادہ کیا تھا۔ اب میں تمہارے منہ سے یہ اقرار بھی سننا چاہتا
ہوں کہ کیا تینوں پیکٹ تم نے ہی تین مختلف آدمیوں تک پہنچائے
تھے تاکہ وہ شاہد سلیم، سیٹھ جالے والا اور شوکت محمود کے گھروں میں
عین تقریب کے وقت پہنچا دیے جائیں۔"

"ہاں، یہ بھی درست ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ پیکٹ تمہیں کس نے دیے تھے اور کیوں؟"

"وہ پیکٹ مجھے جمعہ خان کے ذریعے باری باری ملے تھے۔ پہلا
پیکٹ آج سے دو دن پہلے دیا گیا تھا۔ اس پیکٹ کو گروہ کے ایک
شخص کے حوالے کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اس سے یہ کہا
گیا تھا کہ پیکٹ کسی طرح سیٹھ جالے والا کے گھر عین تقریب کے
وقت پہنچایا جائے۔ دوسرا پیکٹ اس کے ایک دن بعد ملا، جو ایک
اور شخص کو دیا گیا۔ یہ پیکٹ اس شخص کو شوکت محمود کے ہاں پہنچانا
تھا۔ تیسرا پیکٹ دے کر مجھ سے کہا گیا کہ میں اسے جاوید اشرف کو
دے دوں، تاکہ وہ اسے شاہد سلیم کی کوٹھی میں پہنچا دے۔ پہلے دونوں
آدمیوں نے ہدایت پر پوری طرح عمل کیا، لیکن جاوید اشرف نے خود
پیکٹ پہنچانے کی بجائے ان کے ذریعے بھیجا۔" اس نے محمود اور فاروق
کی طرف اشارہ کیا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انجان بنتا رہا تھا۔
ورنہ وہ انہیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"اور یہ تینوں پیکٹ تمہیں جمعہ خان کے ذریعے ملے؟" انہوں نے
پوچھا۔

"ہاں، مجھے الطاف قاسم تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کی
طرف سے جو حکم بھی ملتا تھا، وہ مجھے جمعہ خان دیا کرتا تھا اور میں
اس کی باقاعدہ اطلاع پہلے مینجر صاحب کو دیتا ہوں، پھر ان کے مشورے
کے مطابق اس حکم پر عمل کرتا ہوں۔"

"لیکن جاوید اشرف کے قتل سے پہلے ہی تو تم جمعہ خان سے
مل کر یہاں آئے تھے، پھر دوبارہ برٹ ڈے روڈ پر کس طرح پہنچ
گئے؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس مرتبہ جمعہ خان سے یہی حکم ملا تھا کہ جاوید اشرف کو موقع
ملتے ہی ہلاک کر دیا جائے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ ایک آدمی
جاوید اشرف کے پیچھے سائے کی طرح لگا ہوا ہے۔ جوں ہی کوئی موقع
بنا، مجھے اطلاع دے دی جائے گی۔ میں ہوٹل کے کمرے میں آکر
بیٹھا ہی تھا کہ اطلاع ملی، جاوید اشرف غالیہ روڈ پر ایک پبلک فون
میں موجود ہے، فوراً وہاں پہنچو۔ میں وہاں پہنچا تو جاوید اشرف
وہاں سے جا چکا تھا، البتہ بوتھ میں ایک رقعہ پڑا ملا کہ جاوید اشرف
نے نگرانی کو بھانپ لیا ہے، اس لیے وہ یہاں سے عجلت میں نکل
گیا ہے، اب اس کا رخ ہائی وے کی طرف ہے۔ چنانچہ میں ہائی
وے پہنچا۔ وہاں کے فون بوتھ میں بھی مجھے ایک رقعہ ملا۔ اس میں لکھا

تھا۔ اب جاوید اشرف برٹ ڈے روڈ پر مڑ گیا ہے۔ برٹ ڈے روڈ وہاں سے نزدیک ہی تھی — میں جلدی سے وہاں پہنچا اور عین اس وقت بوتھ میں گھس گیا، جب وہ فون پر کسی سے سلسلہ ملا چکا تھا۔ اور اپنی زندگی خطرے میں ہونے کی اطلاع دے چکا تھا — میں گھبرا گیا اور پستول کی گولی اس کے سینے میں اتار دی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ فرش پر گرا اور شاید اس وقت میری پتلون داغ دار ہو گئی۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"لیکن جاوید اشرف کو ہلاک کرنے کا کام اس شخص سے ہی کیوں نہ لیا گیا، جو اس کی نگرانی کر رہا تھا؟"

"ہر آدمی ایسا کام نہیں کر سکتا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"چلو، اب یہ بھی بتا دو کہ پیکٹوں میں کیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم، شاید کسی کو بھی نہیں معلوم؛ البتہ الطاف قاسم کو ضرور معلوم ہے، کیونکہ وہی ہمارا باس ہے۔ ہم سب اسی کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور سب کے سب اس سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ ہم میں سے جب کوئی اس کے لیے کام کرنے سے انکار کرتا ہے، وہ اس کے بیوی بچوں کو غائب کرا دیتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے سب اس کا حکم مانتے ہیں اور اس کے بارے میں زبان تک نہیں کھولتے۔"

"ہوں، تمہارا بیان مینیجر صاحب اور الطاف قاسم کے لیے موت کی آواز ثابت ہو گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب، یہ شخص جھوٹا ہے اور ہمیں پھنسا رہا ہے۔" مینیجر بولا۔

"لیکن مینیجر صاحب، ابھی ابھی تو تم نے اس شخص کو سارڈی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اسے اپنا خاص آدمی کہا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے وہ الفاظ عدالت میں تھوڑا ہی کہے تھے۔ میں عدالت میں بیان دوں گا کہ اس شخص کو سرے سے جانتا ہی نہیں۔"

"اوہو، تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر جمشید پریشان ہو کر بولے۔

"بالکل انسپکٹر صاحب، آپ کے فرشتے بھی مجھ پر یا الطاف قاسم صاحب کو مجرم ثابت نہیں کر سکتے۔ ہم لوگ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔ ہماری پشت پر اس ملک کا دشمن ملک ہے اور یہ سب کچھ اسی کے اشاروں پر ہو رہا ہے۔ ہم ملک میں ان کی بھیجی ہوئی نشہ آور ادویات پھیلا کر لوگوں کو اپاہج کرتے ہیں۔ ان کے بھیجے ہوئے بیماریوں کے جراثیم خوراک کے ذخیروں میں ملا دیتے ہیں اور اسی قسم کے اور نہ جانے کتنے کام کرتے ہیں، لیکن آپ یہ بات عدالت میں کس طرح ثابت کر سکتے ہیں؟"

"خیر، یہ میں کر لوں گا — اکرام، اسے بھی ہتھکڑی لگا دو۔"

"ضرور ضرور، شوق سے — لیکن انسپکٹر صاحب، میری اور الطاف قاسم

کی گرفتاری کی خبر آن کی آن میں دشمن ملک کو ہو جائے گی اور وہ فوری طور پر رہا کرانے کے لیے سرگرم ہو جائیں گے، لہذا کل کا سورج ہمیں جیل میں نہیں دیکھ سکے گا۔ اس وقت آپ کا کیا حال ہو گا۔ آپ کی ناکامی کی خبریں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کی جائیں گی، لہذا میرا آپ کو نیک مشورہ یہی ہے کہ ہمیں سرے سے گرفتار نہ کریں — ہاں، جاوید اشرف کے قاتل کی حیثیت سے سارڈی کو ضرور لے جائیں۔ اس طرح آپ بدنام ہونے سے بچ جائیں گے۔ لوگ آپ پر نہیں ہنس سکیں گے۔" اس نے روانی کے عالم میں کہا۔

"مجھے دوسروں کے ہنسنے کی کوئی پروا نہیں۔ میں تو اپنے ملک اور قوم کے لیے جیتا ہوں اور انہی کے لیے مروں گا — کیا سمجھے، چلو اکرام، ہتھکڑی لگا دو اور ہاں انہیں پچھلے دروازے سے نہایت پوشیدہ طور پر لے جانا ہے، تاکہ کسی کو خبر نہ ہو۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر ہتھکڑیاں لگا دیں تو انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"مسٹر ڈلمن، یہ دیکھو، تم بھی کیا یاد کرو گے — تم نے اس کمرے میں جو کچھ کہا، سب کا سب ٹیپ ہو چکا ہے، اور اب تم عدالت میں کچھ کہتے رہو، اس کمرے میں کہے گئے الفاظ ہی درست تسلیم کیے جائیں گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک ننھا سا

ٹیپ ریکارڈر نکال کر اسے دکھایا — اسے دیکھ کر ڈلمن کا چہرہ سفید پڑ گیا، ورنہ اس سے پہلے وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"ارے بھئی، تمہارا چہرہ پھیکا کیوں پڑ گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو بہت گلنار نظر آ رہا تھا — ہوٹل کا نام بھی تم نے خوب سوچ سمجھ کر رکھا تھا، ہوٹل گلنار۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"اکرام، تم ان دونوں کو حوالات میں پہنچا کر برٹ ڈے روڈ پر الطاف قاسم کی کوٹھی میں آ جاؤ۔ ہم تمہیں وہیں ملیں گے — اب یہ جاننے کا وقت بھی آ ہی پہنچا ہے۔ کہ ان پیکٹوں میں تھا کیا۔"

"جی بہتر۔" اکرام نے کہا اور مجرموں کو لے کر آگے بڑھ گیا۔

وہ بھی جیپ میں بیٹھ کر الطاف قاسم کی طرف روانہ ہو گئے۔

"انتہائی حیرت انگیز طور پر دو مجرموں کی گرفتاری عمل میں آئی ہے، ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ معاملہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" محمود بولا۔

"کیا ہو سکتا ہے — میرا خیال ہے — ہم تو اب بھی نہیں سوچ سکتے کہ معاملہ کیا ہو سکتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں واقعی، جب تک ہمیں پیکٹوں کے بارے میں نہ معلوم ہو جائے، اس وقت تک پوری بات کس طرح معلوم ہو سکتی ہے۔" محمود نے سر ہلایا۔

"جبکہ میرا خیال ہے، میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہوں

انسپکٹر جمشید مسکرا اٹھے۔

"گویا آپ یہ جان چکے ہیں کہ ان پیکٹوں میں کیا تھا؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں! میں جان چکا ہوں۔" انہوں نے کہا اور ہونٹ بھینچ لیے۔

○

"آپ نے آخر کس طرح اندازہ لگایا؟" تھوڑی دیر بعد محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"حالات اور واقعات کی کڑیاں آپس میں ملا کر؛ تاہم میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہم نے تو آج تک شاید ہی کبھی آپ کا اندازہ غلط ہوتے دیکھا ہے۔"

"بھئی آخر میں بھی انسان ہوں۔ مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر بتائیے نا، آپ کا اندازہ کیا ہے، ان پیکٹوں میں کیا تھا؟" فرزانہ بے تاب ہو کر بولی۔

"ابا جان، میرا خیال ہے ـــ میں بھی بتا سکتا ہوں کہ ان میں کیا

تھا۔" فاروق نے کچھ سوچ کر کہا۔

"بھئی واہ، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ چلو بتاؤ، تمہارا اندازہ کیا ہے؟" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"گویا تم یہ سمجھتی ہو کہ فاروق کا اندازہ درست نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں، ورنہ میں خود نہ بتا دیتی۔"

"میں پھر بھی فاروق کا اندازہ ضرور سنوں گا اور بعد میں تم سے پوچھوں گا کہ تمہارے خیال میں فاروق کا اندازہ غلط کس طرح ہے۔"

"جی بہتر۔ میں عرض کرتا ہوں ـــ میرا خیال ہے، ان تینوں پیکٹوں میں نشہ آور دوائیں تھیں۔" فاروق نے کہا۔

"میرا بھی خیال تھا کہ فاروق کے ذہن میں یہی بات آئی ہے، کیونکہ میں نے بھی کچھ دیر پہلے اس پہلو پر غور کیا تھا اور شاید محمود نے بھی یہی خیال کیا ہوگا، لیکن میری طرح اسے بھی اپنا خیال غلط نظر آیا ہوگا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک جائزہ لیا فرزانہ، بالکل یہی بات ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"گویا میں بے وقوف ہوں۔" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"یہ بات نہیں۔ بس تم یہ اندازہ نہیں لگا سکے کہ یہ خیال غلط

کیسے ہو سکتا ہے" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"ہاں تو کس طرح غلط ہو سکتا ہے یہ خیال" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اگر پیکٹوں میں نشہ آور دوائیں تھیں اور یہ پیکٹ سارڈی کے بیان کے مطابق الطاف قاسم نے ہی تینوں جگہوں پر بھیجے تھے تو پھر تینوں جگہوں پر وہ خود کیوں موجود تھا۔ کیا اپنے بھیجے ہوئے پیکٹ خود ہی وصول کرنے کے لیے۔ یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔ جب کہ شاہد سلیم کے ہاں اسی کو تحائف کی میز کے پاس دیکھا گیا تھا اس کے سوا اور کوئی میز کے پاس نہیں گیا، پھر بعد میں کوڑے کے ڈرم سے پھٹا ہوا پیکٹ بھی ملا؛ گویا اس میں سے چیز نکال لی گئی تھی۔ آخر الطاف قاسم کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"کیوں بھئی فاروق، تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"

"فرزانہ کی باتوں میں کافی وزن ہے اور میں بھی غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں ـــ خیر، سوال یہ ہے کہ اگر ان پیکٹوں میں نشہ نہیں تھیں تو پھر کیا تھا" فاروق بولا۔

"بھئی، یہی تو اندازہ حالات اور واقعات پر غور کر کے لگانا ہے لیکن اب تمہارے پاس اتنا وقت کہاں رہا۔ اب تو ہم الطاف قاسم کی کوٹھی تک پہنچ چکے ہیں"

انہوں نے جیپ روک دی اور نیچے اتر کر گھنٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے جمعہ خان آتا نظر آیا۔ وہ انہیں دیکھ کر بری طرح چونکا۔

"ارے بھئی جمعہ خان، آپ کو تو ملازمت سے نکال دیا گیا تھا"

"میری منت سماجت نے صاحب کا دل موم کر دیا۔ انہوں نے مجھے پھر رکھ لیا ہے" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ میرا کارڈ ان تک پہنچا دو" انسپکٹر جمشید نے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"جی بہت بہتر" اس نے کہا اور واپس مڑ گیا۔ اس کے سر پر اب بھی رومی ٹوپی موجود تھی، جس کا پھندنا آگے پیچھے جھول رہا تھا۔

"ابا جان، یہ ٹوپی اس نے رشوت کے پیسے رکھنے کے لیے سر پر رکھی ہوئی ہے۔ ویسے یہ ہے بھی بالکل گنجا"

"اچھا" وہ مسکرائے۔ محمود نے اس سے جھڑپ کا حال سنا دیا۔ اتنے میں وہ واپس آتا دکھائی دیا۔

"آئیے جناب! الطاف صاحب ڈرائنگ روم میں آپ کے منتظر ہیں"

"شکریہ جمعہ خان" محمود بولا اور چاروں اندر داخل ہوئے۔ الطاف قاسم صوفے میں دھنسا ہوا کوئی رسالہ پڑھ رہا تھا۔ ان کے اندر داخل ہونے پر اس نے اٹھتے ہوئے کہا:

"آج ہی کچھ دیر پہلے آپ کے بچے مجھ سے مل چکے ہیں۔ دوبارا کیسے آنا ہوا؟" اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ اس کے لہجے سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ ابھی اسے سارڈی اور ڈنکن کی گرفتاری کی اطلاع نہیں مل سکی اور ملتی بھی کیسے، اکرام انہیں پچھلے دروازے سے اور خفیہ دروازے سے لے گیا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے جناب کہ سارڈی اور ڈنکن کو گرفتار کیا جا چکا ہے اور ان دونوں کا بیان سراسر آپ کے خلاف جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ خوف دوڑ گیا۔

"مطلب یہ کہ سارڈی نے جاوید اشرف کے قتل کا اقرار کر لیا ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ آپ کے حکم سے کیا اور ڈنکن بھی اس کا ساتھی ہے۔"

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"حالانکہ آپ بہت اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"وضاحت کریں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اگر آپ واقعی وضاحت سننا چاہتے ہیں تو عرض کیے دیتا ہوں وضاحت۔ تو جناب وضاحت یہ ہے کہ آپ بظاہر وزارت

خارجہ کے دفتر کے انچارج ہیں، لیکن حقیقت میں آپ دشمن ملک کے جاسوس ہیں اور آپ کا ایک پورا گروہ ہے، جو ہمارے ملک کو کمزور کرنے میں دن رات ایک کر رہا ہے۔ اکثر لوگ آپ نے اپنے دفتر کے ساتھ ملا رکھے ہیں۔ انہیں ناجائز دباؤ کے تحت اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جاوید اشرف غریب بھی تھا۔ لیکن اس کا ضمیر زندہ تھا۔ وہ آپ کے آگے مجبور بھی تھا۔ اس لیے کھلم کھلا آپ کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا تھا، کیونکہ بیوی بچوں کی زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی ــــ دوسرے اسے یہ بھی پوری طرح یقین نہیں تھا کہ اس گروہ کے سرغنہ آپ ہی ہیں؛ تاہم جب بھی آپ اپنے گروہ کے ذریعے نشہ آور دوائیں یا بیماری کے جراثیم اور اسی قسم کی دوسری چیزیں ملک میں پھیلانا شروع کرتے، جاوید اشرف موقع پا کر صدر صاحب کو فون کر دیتا اور اس طرح سی آئی ڈی والے حرکت میں آ جاتے اور کچھ نہ کچھ توڑ کر دیتے ــــ آپ کو پوری طرح کامیابی نہ ہو پاتی ــــ آپ بہت پریشان تھے۔ اس شخص کے بارے میں آپ کو معلوم نہیں تھا، جو مخبری کرتا تھا۔ آپ اس کا سراغ لگانا چاہتے تھے؛ چنانچہ آپ نے ایک واضح پروگرام بنایا۔ اپنے تمام ساتھیوں کو یہ خبر سنائی کہ منشیات کی ایک بہت بڑی کھیپ آپ کے پاس پہنچ چکی ہے، لہٰذا اسے پھیلانے کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر جن جن پر شک تھا، انہیں سارڈی کے ذریعے پیکٹ بھیجے اور یہ ہدایت کی کہ

پیکٹ کہاں کہاں پہنچانے ہیں۔ پیکٹ تقریبات والے گھروں میں پہنچانے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ اتفاق سے ان تینوں میں آپ کو خود بھی شرکت کرنا تھی۔ دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ وہ شخص سامنے آ جائے جو مخبری کرتا رہتا ہے۔ جن تین آدمیوں کو پیکٹ دیے گئے تھے، ان کی باقاعدگی سے اور بہت احتیاط سے نگرانی ہو رہی تھی کیونکہ شک صرف انہی تینوں پر تھا اور اس طرح جاوید اشرف آپ کی نظروں میں آ گیا، کیونکہ اس دوران اس نے دو پبلک فون بوتھ سے کسی کو فون کیا اور پھر تعاقب کا شبہ اسے ہو گیا، لہذا اس نے خود کو خطرے میں دیکھ کر صدر صاحب کو خبردار کرنا چاہا اور اسی وقت سارجنٹ بوتھ تک پہنچ گیا اور اس غریب کو ختم کر دیا۔ تقریبات میں آپ چونکہ خود موجود تھے، لہذا آپ کو ان پیکٹوں کی حقیقت کا پتا تھا۔ آپ تو صرف مخبر کو پکڑنا چاہتے تھے، لہذا پہلی تقریب سے آپ نے پیکٹ کو غائب کر دیا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ بھلا ایک معزز آفیسر کے بارے میں کون سوچ سکتا تھا کہ وہ ایک تحفے کا پیکٹ چرائے گا، پھر دوسری تقریب سے بھی پیکٹ چرا لیا، لیکن تیسری تقریب میں صورت حال ذرا مختلف ہو گئی، جاوید اشرف ایک وار کھیل گیا۔ آپ کے ساتھ۔ اس نے سوچا، کیوں نہ یہ پیکٹ وہ محمود اور فاروق کے ہاتھ بھیجے۔ اسے ہمارے بارے میں بہت سی باتیں معلوم تھیں۔ دراصل اس کی تو یہی خواہش

تھی کہ کسی طرح تم لوگ قانون کی گرفت میں آ جاؤ اور ملک اور قوم محفوظ ہو جائے؛ چنانچہ اس کی ترکیب کارگر رہی۔ محمود اور فاروق یہاں پہنچ گئے۔ فرزانہ یہاں پہلے ہی موجود تھی۔ مجھے جب اس بات کا علم ہوا تو میں یہ سمجھا کہ اس پیکٹ میں کوئی بم نہ ہو، لہذا ہم شاہد سلیم کے ہاں دوڑے گئے، لیکن وہاں بم کہاں تھا، یہ ترکیب تو صرف مخبر کا پتا چلانے کے لیے عمل میں لائی گئی تھی۔ اب آپ کو کیا معلوم تھا، آپ کی ترکیب خود آپ ہی کے لیے موت کا گڑھا ثابت ہو گی۔ یہ ہے کل کہانی۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"لیکن ابا جان، آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ان پیکٹوں میں اس شخص نے کیا رکھا تھا؟" فاروق بولا۔

"جبھی کچھ بھی نہیں۔ بس وہ اندر سے خالی تھے۔ ہاں کاغذ ضرور بھر دیے گئے تھے ان میں۔ شاہد سلیم کے ہاں جب اس نے یہ دیکھا کہ معاملہ الٹا پڑ رہا ہے تو اس پیکٹ کو اٹھا کر کھول ڈالا اور کوڑے کے ڈرم میں پھینک دیا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"حالانکہ ابا جان، یہ شخص ان پیکٹوں میں واقعی کھلونے دے سکتا تھا۔ اس طرح اسے پیکٹ غائب کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔" محمود بولا۔

"ہاں، تم نے بڑی اچھی بات کہی، لیکن جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے۔ جب کسی مجرم کا بُرا وقت آتا ہے تو اس سے ایسی کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے اور پھر جرم چھپ تو سکتا ہی نہیں۔" انہوں نے کہا اور خاموش ہو گئے۔ تینوں نے الطاف قائم کی طرف دیکھا اور پھر فاروق نے کہا:

"آپ شاید اپنی صفائی میں کچھ بھی کہنا نہیں چاہتے۔ ویسے میرا خیال ہے، آپ کے پاس کہنے کے لیے رہ بھی کیا گیا ہے۔ جھوٹ کے پاؤں تو ہوتے ہی نہیں۔ ارے ہم اس جمعہ خان کو تو بھول ہی گئے۔"

"میں یہ رہا جناب، بہت دیر سے کھڑا یہ بکواس باتیں سن رہا ہوں اور اب مہربانی فرما کر ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ بُرا وقت ہمارا نہیں، آپ لوگوں کا آیا ہے۔ گیدڑ ہم نہیں، تم لوگ ہو، لہٰذا شامت بھی تم لوگوں کی آئی ہے۔ میرا خیال پہلے ہی دل میں لے آئے ہوتے نا۔" جمعہ خان کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولے:

"تم اس پستول سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے، یہ خالی ہو چکا ہے۔ جب تم ہمیں لے کر اندر آ رہے تھے تو میں نے اسے خالی کر دیا تھا۔ اور پھر تمہاری جیب میں رکھ دیا تھا۔"

"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے بوکھلا کر کہا اور پستول کو

کھولنے کے لیے ۳۱، کا رخ تبدیل کیا۔ اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کی جیب سے ایک فائر ہوا اور ان کی بالکل نئی پتلون میں سوراخ ہو گیا۔ پستول جمعہ خان کے ہاتھ سے نکل کر ان کے قریب آ گرا اور خون اس کے ہاتھ سے بہہ بہہ کر نیچے گرنے لگا۔

"امی جان کے لیے ایک کام اور نکل آیا۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا اور وہ ہنس دیے۔ اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔

اکرام اور اس کے ساتھی آ پہنچے تھے۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۰

روبال

— مصنف : اشتیاق احمد —

- خان رحمان کو ملنے والا تحفہ عجیب تھا۔
- ظہور نے اس تحفے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔
- پروفیسر داؤد اور شائستہ بھی غم میں شریک۔
- ایک انوکھے مجرم سے ملیے۔
- ایک ہولناک عمارت سے ان کا واسطہ۔
- آخر میں انسپکٹر جمشید مجرم سے کس طرح پیش آئے ؟

ایک انوکھا ناول۔

قیمت : ۵/۵۰

آیندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۸۹

خون آلود خنجر

— مصنف : اشتیاق احمد —

- اس کے خلاف ہر ثبوت مکمل تھا، لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ مجرم نہیں ہے۔
- ایسے میں اس نے اپنی بیوی سے ایک درخواست کی۔
- درخواست کیا تھی ؟
- محمود، فاروق اور فرزانہ ایک عمارت میں۔
- ایک شخص کی کہانی، جو ایک گمنام کلب کا ممبر تھا۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۲۷

نیلا دانت

— مصنف : اشتیاق احمد —

- ایک شخص ایک عجیب وغریب بیماری کے ہاتھوں حد درجے پریشان —
- اس کے اندر کسی کو قتل کر دینے کی خواہش تھی —
- لیکن ایک روز معاملہ بالکل الٹ تھا —
- ایک ایسے مجرم کی کہانی، جس نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا —
- آپ کے محبوب کردار اس بار خوب چکر کھاتے ہیں —
- آخر میں آفتاب کی شوخیاں آپ کو بہت لطف دیں گی ۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

شوکی سیریز

راج محل

— مصنف : اشتیاق احمد —

- اس بار انہیں ایک شاہی کیس ملا تھا —
- انہوں نے راج محل کو کس طرح تلاش کیا؟
- راج محل کیا تھا، کن لوگوں کے استعمال میں تھا —
- ایک خوف ناک آدمی، جس سے بڑے بڑے سیٹھ بھی خوف زدہ رہتے تھے —

شوکی برادرز اس سے کس طرح نپٹنے میں کامیاب ہوئے آپ بے ساختہ مسکرائیں گے —

قیمت : ۵/۵۰